Monthly : 35/-
Yearly : 350/-

ماہنامہ

اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

محرم/صفر | ۱۴۴۶ھ

اگست | ۲۰۲۴ء

عنوان مضامین

۱۔نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع۔اقوال واحکام
۲۔فن تفسیر کی اہمیت وافادیت اوراس کا ارتقائی سفر
۳۔خواجہ پیر محمد عبدالغفور مجددی۔حیات وخدمات
۴۔تراجم قرآن میں کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات
۵۔نام روشن اے رضا جس نے تمہارا کردیا
۶۔صحابہ کرام کا انداز تعظیم رسول

گوشہ ادارت

۱۔کلام الامام امام الکلام
۲۔پیغام
۳۔ممالک اسلامیہ میں پھیلی ابتری اور عالم اسلام کی بے بسی

مستقل کالم

۱۔باب التفسیر
۲۔باب الحدیث
۳۔فتاویٰ منظر اسلام

Scan this to Pay

ماہنامہ کی ممبری فیس یا دارالعلوم منظر اسلام کے تعاون کی رقم بھیجنے کے لئے اسے اسکین کریں۔

مدیر اعلیٰ
(مولانا) محمد سبحان رضا خاں "سبحانی میاں"

ایک اہم پیغام

حامداً وّمصلیاً وّ مسلماً!

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں امت مسلمہ میں پیدا کیا اور ہمیں ما انا علیہ واصحابی کی شاہراہ حق وصداقت اور راہ نجات پر گامزن رکھا۔ ہمارے ذہن و دماغ کو عقائد اہل سنت کی تقدس مآب روشنی سے جگمگ فرمایا اور ہمارے وجود کو معمولات اہل سنت پر عمل کرنے کی خوشبو سے معطر کیا۔ اللہ رب العزت نے فضل فرماتے ہوئے ہمیں عشق رسول کی دولت سے مالا مال فرمایا اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کو ہمارے لیے ''نجوم ہدایت'' اپنی عترت پاک اور اپنے اہل بیت اطہار کو ہم سب کے لیے ''سفینۂ نجات'' بنایا جس کی وجہ سے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کا بیڑا ان شاء اللہ ضرور پار لگے گا۔ ہمیں اپنی خوش نصیبی پر ناز ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اسلاف کرام اور مشائخ اہل سنت کے دامنوں سے وابستہ فرمایا۔ بلاشبہ یہ ایمانی دولت اور خوش عقیدگی کی یہ نعمت بہت بیش قیمتی ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کرنا ہم سب کا ایک اہم فرض ہے۔ ہمیں ہمہ وقت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کس طرح ہمیں اپنے ایمان و عقیدہ کو محفوظ کرنا ہے؟ اس کا علم رکھنا ضروری ہے۔ آج کے اس پُرفتن دور میں طرح طرح سے دشمنان اسلام ہمارے جذبۂ ایمانی اور ہماری مذہبی شناخت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ حاسدین مذہب و مسلک ہماری خوش عقیدگی کو بدعقیدگی میں بدلنے، ہمیں ما انا علیہ واصحابی کے کامیاب ترین راستے سے بھٹکا کر اللہ و رسول اور صحابۂ کرام کا گستاخ و بے ادب نیز اسلاف و امت کا باغی بنانے میں جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

ایرانی دولت کی بنیاد پر آج برصغیر میں ایک طبقہ اہل سنت و جماعت کو بالکلیہ رافضی تو نہیں البتہ نیم رافضی اور کم از کم تفضیلی بنانے کی تحریک نہایت تیزی کے ساتھ چلا رہا ہے۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج نہایت ہی شاطرانہ انداز میں اس رافضی طبقہ نے اس کام کے لیے ماضی قریب کے ہمارے اکابر اہل سنت سے بغض و حسد رکھنے والے کچھ اہل خانقاہ کو اپنا ایجنٹ بنا لیا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی رافضی شناخت رکھنے والا، اہل سنت و جماعت کے کسی سمجھدار فرد کو براہ راست نہ تو اپنے سے قریب کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے جال میں پھنسا سکتا ہے۔ اس لیے مال و زر کا لالچ دے کر اس رافضی طبقہ نے ہمارے ہی گھر سے کچھ افراد کا انتخاب کیا ہے۔ آج تیزی کے ساتھ یہ طبقہ اپنے ہی سنی بھائیوں کو رافضیت اور تفضیلیت کے معمولات پر گامزن کر رہا ہے۔ کبھی ''مشاجرات صحابۂ کرام'' میں انہیں الجھا کر ان سے بدظن کرتا ہے تو کبھی ''عید غدیر'' منانے کی انہیں ترغیب دیتا ہے۔ کبھی ان پر اپنے نام کے ساتھ ''مولائی'' لکھنے کا زور ڈالتا ہے تو کبھی تعزیہ داری، نوحہ خوانی، عَلَم و جریدوں کے جلوس نکالنے، عزاداری کی رسم ادا کرنے اور امام باڑوں میں جانے پر زور دیتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں رافضیت و تفضیلیت کی یہ بلا و وبا سوشل میڈیا کے ذریعہ پڑوسی ملک پاکستان سے سیلاب کی طرح آ رہی ہے۔ اس بلا و وبا کے سیلاب پر بند باندھنا بہت ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے علماء و مشائخ اور ارباب خانقاہ کو اب اس سلسلہ میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہم سب کو مذہب اہل سنت پر قائم رکھے اور ہم سب کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبك سیدالمرسلین صلی الله علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خادم مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY (M) 9319623803, 9548639384

گوشہ ادارت

۱۔کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ	۳
۲۔پیغام	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۴
۳۔ممالک اسلامیہ میں پھیلی ابتری اور عالم اسلام کی بے بسی	اداریہ از قلم مدیر اعزازی محمد سلیم بریلوی	۵

مستقل کالم

۱۔باب التفسیر	مولانا ابرار الحق رحمانی	۸
۲۔باب الحدیث	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۱۰
۳۔فتاویٰ منظر اسلام	حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری	۱۱

خوان مضامین

۱۔نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع۔اقوال واحکام	حضرت علامہ مفتی محمد ارسلان رضا قادری	۱۲
۲۔فن تفسیر کی اہمیت وافادیت اوراس کا ارتقائی سفر	مدیر اعزازی	۲۲
۳۔خواجہ پیر محمد عبدالغفور مجددی۔حیات وخدمات	صاحبزادہ محمد سمیع الرحمٰن ارشدی	۳۲
۴۔تراجم قرآن میں کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات	مولانا طفیل احمد مصباحی	۳۷
۵۔نام روشن اے رضا جس نے تمہارا کردیا	علامہ حسن علی رضوی میلسی	۴۸
۶۔صحابہ کرام کا انداز تعظیم رسول	حافظ افتخار احمد قادری	۵۴

منظوم کلام

۱۔تعزیتی نظم (سدھارے سوئے رب ارشاد ساحل)	مولانا سلمان فریدی	۳۱
۲۔نعت پاک	منصور محور کھیروی	۴۷

خبریں

۱۔یادرفتگاں (مفتی ارشاد احمد ساحل شہسرامی کی رحلت پر تعزیتی تحریر)	محمد سلیم بریلوی	۶۰

ممالک اسلامیہ میں پھیلی ابتری اور عالم اسلام کی بے بسی

اداریہ:۔مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

مابعد سقوط سلطنت عثمانیہ: عالم اسلام سے خلافت اسلامیہ اور بغداد کی بالادستی ختم ہونے کے بعد اسلامی دنیا میں جو قتل و خونریزی، مسلمانوں کی بے بسی وکس مپرسی اور افراتفری کا ماحول پیدا ہوا تھا اسے کافی حد تک سلطنت عثمانیہ نے کم کرنے اور ختم کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ جیسے جیسے سلطنت عثمانیہ طاقتور ہوتی رہی ویسے ویسے عالم اسلام میں ترقی اور چین وسکون کی راہیں ہموار ہوتی چلی گئیں۔سلطنت عثمانیہ نے واقعی طور پر عالم اسلام کی قیادت کا حق ادا کر دیا۔ جہاں کہیں اسلام اور مسلمانوں پر ظلم وزیادتی ہوتا یا مسلمانوں کو مغلوب بنانے کی کوشش ہوتی، سلطنت عثمانیہ وہاں آہنی دیوار کی طرح اسلام مخالف طبقات کے سامنے جم کر کھڑی ہو جاتی۔سلطنت عثمانیہ کے عروج کے زمانہ میں جہاں مسلمانوں کی طاقت وقوت کا غلغلہ بلند ہوا وہیں یہودی اور صلیبی طاقتوں کو ہزیمت کا شکار ہونا پڑا۔ جہاں بانی کے میدان میں کامیابی وکامرانی کے جھنڈے گاڑنے کے ساتھ سلطنت عثمانیہ نے شعائر اسلام اور اسلامی مقامات مقدسہ کو بھی خوب عروج وترقی کی راہ پر گامزن کیا۔اس سلطنت نے اپنی جہاں بانی کے دور میں مذہب اسلام کو بھی حتی الامکان فروغ بخشنے کی کوشش کی۔

سلطنت عثمانیہ بنیادی طور پر ایک سنی سلطنت تھی اور اس کے دور میں معمولات اہل سنت اور عقائد اہل سنت کی بھی خوب ترویج واشاعت ہوئی۔عالم اسلام میں جہاں کہیں بھی اسلامی مقامات مقدسہ تھے ان کی اس سلطنت نے خوب تزئین وآرائش کی اور بہترین و بے مثال عمارتیں بھی وہاں تعمیر کرائیں۔اس سلطنت میں عالم اسلام کے خطے اور ان میں بسنے والے مسلمان نہایت چین و سکون اور عزت ووقار کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔

چونکہ سلطنت عثمانیہ کا اصل مقابلہ صلیبی طاقتوں سے تھا اس لیے یہ سلطنت صلیبی طاقتوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھتی تھی۔پوری دنیا کی صلیبی طاقتیں اس سلطنت کو مٹانے اور سرزمین بیت المقدس میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ان صلیبی طاقتوں کا مذموم مقصد یہی تھا کہ سلطنت عثمانیہ ختم ہو جائے اور سرزمین بیت المقدس پر ان کی بالادستی قائم ہو جائے۔طاقت وقوت کے زور پر جب ان سے یہ کام نہ ہو سکا تو خوش آمدانہ طور پر انہوں نے خطۂ بیت المقدس میں تھوڑی سی زمین دیئے جانے کی گزارش بھی کی جسے اس وقت کے سلطان نے سختی کے ساتھ مسترد کر دیا۔کیوں کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ یہ یہودی قوم اتنی شاطر اور اتنی فتنہ انگیز ہے کہ جس علاقہ میں بھی یہ رہے گی وہاں کبھی سکون قائم نہیں ہو سکتا۔صلیبی طاقتیں بھی اسی وجہ سے ان یہودیوں کو اپنے یہاں سے ہٹانا چاہتی تھیں تا کہ ایک طرف تو ان کے خطے ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہیں اور دوسری طرف ممالک اسلامیہ کے بیچ و بیچ ان کی آبادکاری کے ذریعہ اسلامی دنیا کا چین وسکون بھی ختم کیا جا سکے۔

مغرب نواز سلطنتوں کا قیام: صلیبی طاقتوں کو یہ موقع اس وقت مل گیا جب دنیا میں جنگ عظیم کا ماحول بن کر تیار ہو گیا۔اس جنگ عظیم میں سب سے زیادہ نقصان عالم اسلام کا ہوا۔صلیبی طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ممالک اسلامیہ میں کچھ غدار تلاش کئے اور ان کے ذریعہ ان اسلامی خطوں سے سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر کے اپنے غلام طبقات کی بالا دستی قائم کرا دی۔دیکھتے ہی دیکھتے سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے سقوط کے بعد اسلامی ملکوں میں مغرب نواز سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ظاہر سی بات ہے کہ یہ سلطنتیں اپنی ذاتی کوششوں کے بجائے صلیبی طاقتوں کی نوازش و عطیہ کی رہین منت تھیں۔اس وجہ سے انہیں ہر حال میں ان صلیبی طاقتوں کی بالا دستی اور غلامی قبول کرنا تھی۔ممالک اسلامیہ کی یہ مغرب نواز حکومتیں زیادہ تر بادشاہت کے اصول پر گامزن ہوئیں جن پر رائے عامہ کے خلاف وراثتاً ان ہی کے خاندان قابض ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

اسلامی سلطنتوں کا اپنی رعایا پر ظلم: اپنی سلطنت کو قائم رکھنے کے لیے انہوں نے عوامی آزادی کا گلا گھوٹا، اپنی عوام پر ہر طرح کا ظلم و جور جائز رکھا، اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو سختی کے ساتھ دبانے کا کام کیا۔اسلامی ممالک کی اس زیادتی کا وہاں کی عوام اس قدر شکار ہوئی کہ ان سے بیزار ہو گئی۔اندرونی طور پر اپنی حکومتوں سے وہ نفرت کرنے لگی۔حالات جب اس طرح کے ہوتے ہیں تو اس عوام کو کوئی بھی دشمن طاقت آسانی کے ساتھ اپنا آلۂ کار بنا سکتی ہیں۔ان ملکوں میں بھی یہی ہوا اور یہی ہو رہا ہے۔عوام و خواص اضطراب و بے چینی کا شکار ہیں اور یہاں کے نوجوان ان حالات سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اپنی ہی حکومتوں کے خلاف مسلح انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔یہ طوفان اتنی تیزی سے اٹھا کہ آج اس کی زد میں اکثر اسلامی ملک آ چکے ہیں۔ہر طرف افراتفری کا ماحول ہے۔کسی کو کسی کی پرواہ نہیں۔ان اسلامی ملکوں پر قابض حکومتوں کے مابین نہ کوئی اتحاد ہے اور نہ کوئی اتفاق رائے۔بلا کی منافقت ہے۔سونے پر سہاگہ یہ کہ صلیبی طاقتیں ان کے مابین منافقت و منافرت کو خوب پروان چڑھاتی رہیں جس کا اثر یہ ہوا کہ یہ سلطنتیں ہمیشہ آپس میں الجھی رہیں اور ناجائز طور پر اس اسلامی خطہ میں قائم اسرائیلی حکومت روز بروز مضبوط ہوتی رہی یہاں تک کہ آج اس نے سارے اسلامی ملکوں میں افراتفری کا ماحول قائم کر رکھا ہے۔اتنے ملکوں کے درمیان یہ اکلوتی یہودی حکومت جب چاہتی ہے یہاں کے مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے لگتی ہے۔آج اس نے ''غزہ'' کو تقریباً مٹا دیا ہے۔لاکھوں فلسطینیوں کو اسرائیل اب تک ذبح کر چکا ہے۔نہ فلسطینی چین و سکون سے ہیں اور نہ ہی لبنانی، نہ شامی اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور نہ ہی مصری، نہ عراق میں امن و امان ہے اور نہ ہی جارڈن میں۔سوڈان بھی جل رہا ہے اور ایران بھی، پاکستان میں بھی افراتفری ہے اور بنگلہ دیش میں بھی اتھل پتھل۔ان ملکوں میں مسلمانوں کا خون پانی سے بھی ارزاں ہو چکا ہے۔

بنگلہ دیش سے شیخ حسینہ کی حکومت کا سقوط: ابھی مؤرخہ ۵/اگست کو بنگلہ دیش کی حکومت کا بھی تختہ پلٹ ہو گیا ہے۔حکومت کی زیادتیوں کا شکار اس ملک کے نوجوان ۲۰۰۹ء سے قائم شیخ حسینہ واجد کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔دیکھتے ہی دیکھتے ان کے یہ معمولی سے احتجاجات ایک طوفان کی شکل اختیار کرتے چلے

گئے۔تقریباً ایک ماہ چلنے والے ان احتجاجات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کل مورخہ ۵/اگست بروز پیر دوپہر تقریباً ایک بجے شیخ حسینہ کو مستعفی ہوکر اپنا ملک چھوڑ کر ہمارے ملک ہندوستان میں پناہ لینی پڑی۔

اسلامی ملکوں کی ابتری کے اسباب: اسلامی ملکوں میں اس افراتفری کے یوں تو بہت سارے اسباب وعوامل ہیں مگر بنیادی طور پر سب سے بڑا سبب یہاں کی عوام کا اپنی حکومتوں سے بیزار ومتنفر ہونا اور حد سے زیادہ ان حکومتوں کا امریکہ ومغرب نواز ہونا ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب حکومتیں خود مختار ہو جائیں، انانیت کا شکار ہو جائیں اور ان کے اندر تانا شاہی وڈکٹیٹریت پیدا ہوجائے تو ایک دن ان کا سقوط ہوتا ہی ہے۔ دنیا میں اس کی بیشمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔

اسلامی ملکوں میں بھی زیادہ تر یہی دیکھنے کو مل رہا ہے۔ان سلطنتوں میں اسلام کے اصولوں اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر ظلم وزیادتی پر مشتمل جس ظالمانہ جہاں بانی کی بنیاد ڈالی گئی تھی اسی کا خمیازہ آج یہ لوگ بھگت رہے ہیں۔ اگر انہوں نے اسلامی اصولوں کے مطابق جہاں بانی کا ماحول قائم کیا ہوتا تو انہیں آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ یہ اصول فطرت ہے کہ جو حکومت اپنی رعایا کے حقوق کا خیال نہیں رکھتی، اپنی رعایا پر ظلم وزیادتی کو روا رکھتی ہے اور ان کے مابین عدل وانصاف سے کام نہیں لیتی تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ تانا شاہی کو کسی بھی ملک کی عوام نے کبھی بھی زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کیا۔ جو حکومتیں بھی تانا شاہی کی راہ پر گامزن ہوئیں ان کا بدترین خاتمہ ہوتے دنیا نے کئی بار دیکھا ہے۔

عالم اسلام میں اضطراب واحساس کمتری: اسلامی ملکوں میں برپا اس افراتفری سے آج پوری دنیا کے مسلمان بے چین و مضطرب ہیں۔ ذہنی طور پر آج دنیا کے مسلمان اپنے آپ کو بے بس، کمزور اور مغلوب محسوس کر رہے ہیں۔ دنیا کے ہر خطہ کا مسلمان آج احساس کمتری کا شکار ہے اور یہ چیز مسلمانوں کے لیے نہایت ہی خطرناک ہے۔ کیوں کہ انسان جب احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے تو اس کا اثر زندگی کے ہر حصہ اور ہر شعبے پر پڑتا ہے۔اس صورت حال میں نہ انسان علمی ترقی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی معاشی، نہ سیاسی طور پر وہ مضبوط ہوسکتا ہے اور نہ سماجی سطح پر، نہ اس کا معاشرہ سنبھل سکتا ہے اور نہ ہی اس کے حالات صحیح رکھ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ایسے حالات میں مذہبی معمولات بھی حد درجہ متاثر ہوتے ہیں۔ دنیا کے ساتھ دین کا بھی زبردست نقصان ہوتا ہے اور یہ ساری چیزیں ہم آج دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والے مسلمانوں کے اندر دیکھ رہے ہیں۔

علاج وتدارک: اسلامی ملکوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی عوام کے حق میں کام کریں، اسلامی اصولوں کے مطابق عدل وانصاف کی بالا دستی قائم کریں، اسلام اور مسلم دشمن طاقتوں کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے سے نکالیں، اللہ ورسول کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اسلامی اخوت و بھائی چارگی کو فروغ دیں۔ جہاں کہیں بھی مسلمانوں کے اوپر ظلم ہوتا ہو یا اسلام پر حملے ہوتے ہوں ان کے خلاف متحدہ طور پر مضبوطی کے ساتھ آواز اٹھائیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی والے کام کریں اور عالم اسلام میں اپنے تئیں پائی جانے والی نفرت و بے اطمینانی کو کم کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے کردار وعمل سے عالم اسلام کا دل جیتنے کا کام کریں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کی حفاظت فرمائے اور یہاں امن وامان قائم فرمائے۔

ترجمہ: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدرالافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: اندھے پر تنگی نہیں ۴۱ اور نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر مواخذہ ۴۲ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں اور جو پھر جائے گا ۴۳ اسے دردناک عذاب فرمائے گا۔ بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے ۴۴ تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے ۴۵ تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا ۴۶ اور بہت سی غنیمتیں ۴۷ جن کو لیں اور اللہ عزت و حکمت والا ہے اور اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم لوگے ۴۸ تو تمہیں یہ جلد عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے ۴۹ اور اس لیے کہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو ۵۰ اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے ۵۱ اور ایک اور ۵۲ جو تمہارے بل کی نہ تھی ۵۳ وہ اللہ کے قبضے میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(پ ۲۶ رکوع ۱۱ سورۂ فتح آیت ۱۷ تا ۲۱)

تفسیر: ۴۱ جہاد سے رہ جانے میں۔ **شان نزول** جب اوپر کی آیت نازل ہوئی تو جو لوگ اپاہج و صاحب عذر تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ۴۲ کہ یہ عذر ظاہر ہیں اور جہاد میں حاضر نہ ہونا ان لوگوں کے لیے جائز ہے کیوں کہ نہ یہ لوگ دشمن پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ اس کے حملے سے بچنے اور بھاگنے کی، انہیں کے حکم میں داخل ہیں وہ بڈھے ضعیف جنہیں نشست و برخاست کی طاقت نہیں یا جنہیں دمہ اور کھانسی ہے یا جن کی تلی بہت بڑھ گئی ہے اور انہیں چلنا پھرنا دشوار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عذر جہاد سے روکنے والے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی اعذار ہیں۔ مثلاً غایت درجہ کی محتاجی اور سفر کے ضروری حوائج پر قدرت نہ رکھنا یا ایسے اشغال ضروریہ جو سفر سے مانع ہوں جیسے کسی ایسے مریض کی خدمت جس کی خدمت اس پر لازم ہے اور اس کے سوائے کوئی اس کا انجام دینے والا نہیں ۴۳ طاعت سے اعراض کرے گا اور کفر و نفاق پر رہے گا ۴۴ حدیبیہ میں۔ چونکہ ان بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی کی بشارت دی گئی اس لیے اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کہتے ہیں۔ اس بیعت کا سبب باسباب ظاہر یہ پیش آیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصحاب قریش کے پاس مکہ مکرمہ بھیجا کہ انہیں خبر دیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''بیت اللہ'' کی زیارت کے لیے بقصد عمرہ تشریف لائے ہیں، آپ کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ جو کمزور مسلمان وہاں ہیں انہیں اطمینان دلادیں کہ مکہ مکرمہ عنقریب فتح ہوگا اور اللہ تعالیٰ

اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔قریش اس بات پر متفق رہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سال تو تشریف نہ لائیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر آپ کعبۂ معظّمہ کا طواف کرنا چاہیں تو کریں۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں بغیر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طواف کروں۔یہاں مسلمانوں نے کہا کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے خوش نصیب ہیں جو کعبۂ معظّمہ پہنچے اور طواف سے مشرف ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ ہمارے بغیر طواف نہ کریں گے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ کے ضعیف مسلمانوں کو حسب حکم فتح کی بشارت بھی پہنچائی پھر قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا۔یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے اس پر مسلمانوں کو بہت جوش آیا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے کفار کے مقابل جہاد میں ثابت رہنے پر بیعت لی۔یہ بیعت ایک بڑے خاردار درخت کے نیچے ہوئی جس کو عرب میں ''سمرہ'' کہتے ہیں۔حضور نے اپنا بایاں دست مبارک داہنے دست اقدس میں لیا اور فرمایا کہ یہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیعت ہے اور فرمایا یا رب عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے اور تیرے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے کام میں ہیں۔اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور نبوت سے معلوم تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید نہیں ہوئے۔جب ہی تو ان کی بیعت لی۔مشرکین اس بیعت کا حال سن کر خائف ہوئے اور انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔(مسلم شریف) اور جس درخت کے نیچے بیعت کی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپدید (مخفی) کر دیا۔سال آئندہ صحابہ نہ ہر چند تلاش کیا، کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا ۴۵ صدق و اخلاص و وفا ۴۶ یعنی فتح خیبر کا جو حدیبیہ سے واپس ہو کر ۶/ماہ بعد حاصل ہوئی ۴۷ خیبر کی اور اہل خیبر کے اموال کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقسیم فرمائے ۴۸ اور تمہاری فتوحات ہوتی رہیں گی ۴۹ کہ وہ خائف ہو کر تمہارے اہل عیال کو ضرر نہ پہنچا سکے۔اس کا واقعہ یہ تھا کہ جب مسلمان جنگ خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو اہل خیبر کے حلیف ''بنی اسد'' و ''غطفان'' نے چاہا کہ مدینہ طیبہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اہل وعیال کو لوٹ لیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور ان کے ہاتھ روک دیئے۔۵۰ یہ غنیمت دینا اور دشمنوں کے ہاتھ روک دینا ۵۱ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور کام اس پر مفوض کرنے کی، جس سے بصیرت یقین زیادہ ہو ۵۲ فتح ۵۳ مراد اس سے یا مغانم فارس وروم ہیں یا خیبر جس کا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے وعدہ فرمایا تھا اور مسلمانوں کو امید کامیابی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح دی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ فتح مکہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہر فتح ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد سبحان رضا سبحانی میاں مدظلہ العالی
سربراہ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر، سوداگران بریلی شریف

سیکڑوں میل دور کی خبریں

اللہ رب العزت نے انبیائے کرام خاص کر ہمارے آقا سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے شمار علوم غیبیہ عطا فرمائے اور یہ سلسلہ قرآن کریم کے نازل ہونے کی تکمیل تک جاری رہا۔ میرے جد امجد سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''خالص الاعتقاد'' میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

☆''اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریات دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت کا ہی منکر ہے۔''

☆''اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء، تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے، اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔''

☆''ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے آیا وہ روز اول سے روز آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا مفاد ہے۔ یا ان میں تخصیص ہے؟ بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے۔۔۔ اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔۔۔ ہمارا مختار، ''قول اخیر'' ہے جو عام عرفائے کرام و بکثرت اعلام کا مسلک ہے۔''

اہل سنت کے مذکورہ عقیدہ کے برخلاف وہابیہ و دیابنہ انبیائے کرام خاص کر ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے عطا کئے جانے والے علم غیب عطائی کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ اس علم غیب عطائی کے ثبوت پر قرآن و حدیث میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم ایک حدیث پاک ذیل میں نقل کر رہے ہیں کہ جس میں ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیکڑوں میل کی دوری پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے موجودہ صحابہ کرام کو اس طرح آگاہ فرمایا جیسے کہ وہ ان واقعات کو وہیں موجود رہ کر بنفس نفیس ملاحظہ فرما رہے ہوں۔

عن انس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نعی زیدا وجعفرا وابن رواحۃ للناس قبل ان یاتیھم خبرھم فقال اخذ الرایۃ زید فاصیب ثم اخذ جعفر فاصیب ثم اخذ ابن رواحۃ فاصیب۔وعیناہ تذرفان۔ حتی اخذ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیھم۔

(بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب غزوۃ موتۃ من ارض الشام)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر جنگ سے ان کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی دے دی۔ آپ نے فرمایا: زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ (یہ خبر دیتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے) یہاں تک کہ سیف اللہ (حضرت خالد بن ولید) نے جھنڈا تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

واضح رہے کہ ''موتہ'' ملک شام کا ایک قصبہ ہے جس کا فاصلہ مدینہ منورہ سے ۹۸۷ کلومیٹر سے بھی زائد ہے۔ اس کے باوجود ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جنگ موتہ میں پیش آنے والے واقعات کی اس طرح خبر دی جیسے کوئی اپنی ہتھیلی کے نشانات کو دیکھ کر خبر دیتا ہے۔ اس حدیث پاک میں آٹھ غیب کی خبریں ہمارے آقا نے دی ہیں۔ (جاری)

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج، تحقیق:- حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

تبلیغی جماعت کو مسجد سے روکنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان چند مسائل میں کہ (۱) مسجد کے عطیہ کو امام مسجد اپنی ذاتی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) ڈھولک، طبلہ، سارنگی، ہارمونیم وغیرہ کے ساتھ قوالی یا نعتیہ کلام سننا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) ریڈیو کے ذریعہ تلاوت کلام پاک یا اور دینی پروگرام سننا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) تبلیغی جماعت جو آج کل گشت کر رہی ہے ان کو یا زید، عمرو، بکر کو رات کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) نماز عید الفطر یا نماز عید الاضحیٰ میں سلام کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔ ازراہ کرم احادیث اور کلام پاک کی روشنی میں ان پانچوں سوالوں کا جواب عنایت کیجئے گا عین مہربانی ہوگی۔

مستفتی: سید زاہد حسین

امام مسجد موضع امرپور، بیگم پور ڈاکخانہ بھگوان پور ضلع سہارنپور یوپی

الجواب: (۱) بلا استحقاق ناجائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) باجے حرام ہیں۔ حدیث میں ہے امرنی ربی عزوجل یمحق المعازف ۔ مجھے میرے رب عزوجل نے باجوں کے مٹانے کا حکم دیا ہے۔ مزامیر کے ساتھ قوالی یا نعتیہ کلام سننا جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: ضرب الاوتار من الطنبوروالبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فانها كلها مكروهة لانها زى الكفار واستماع الدف والمزمار وغير ذلك حرام والله تعالىٰ اعلم۔

(۳) جائز کلام، جائز باتیں سننا جائز ہے۔ تلاوت قرآن کریم وتفسیر علمائے کرام سننا جائز ہے اور جو کلام باجوں کے ساتھ ہو اس کا سننا ناجائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) تبلیغی جماعت وہابیوں کی جماعت ہے جو نئے روپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ اہل سنت وجماعت پر لازم ہے کہ انہیں اپنی مساجد میں نہ آنے دیں۔ مسجد میں غیر معتکف کو سونا جائز نہیں ہے اگر کوئی مسلمان بنیت اعتکاف داخل ہو اور ذکر یا نماز کے بعد سو جائے تو جائز ہے مگر تبلیغی جماعت والوں کو مسجد میں جانے سے روکا جائے کہ یہ وہابیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور تفصیل کے لیے "جراثیم الوہابیۃ"، "تبلیغی جماعت کیا ہے؟" (ان کتابوں) کا مطالعہ فرمائیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) نماز عیدین کے بعد دعا جائز ہے اور جو بعضوں نے منع کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس بارے میں ایک رسالہ مسمّیٰ بنام "سرور العيد السعيد فی حل الدعاء بعد صلوٰة العيد" تصنیف فرمایا ہے جس میں قرآن وحدیث واقوال ائمہ دین سے جواز ثابت فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

قاضی محمد عبد الرحیم بستوی غفرلہ القوی

رضوی دارالافتاء منظر اسلام محلّہ سوداگران بریلی شریف

۲۷ / ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ

نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع۔ اقوال واحکام

از۔حضرت علامہ مفتی محمد ارسلان رضا قادری ازہری، رضوی دارالافتاء مرکز اہل سنت درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

ماہ ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ کو شہر اندور سے رضوی دارالافتاء میں نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع کے متعلق ایک سوال آیا جس کے جواب میں اس بیع کو اصول کی روشنی میں حرام، سود اور گناہ قرار دیا گیا، بعد کو معلوم ہوا کہ بعض علمانے اس طریقے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، کسی نے مطلقاً تو کسی نے ایک طرف کے قبضے کی شرط کے ساتھ۔ حالانکہ دونوں ہی قول کے قائلین کو ذہول وتسامح ہوا ہے، زیر نظر مضمون میں اسی بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع مطلقا ناجائز وحرام اور سود وگناہ ہے۔ ایک جانب سے قبضہ ہو یا نہیں۔ جو لوگ مطلقا جواز کے قائل ہوئے انہیں وہم روپیہ اور نوٹ میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہوا، وہ روپے کو نوٹ سمجھ بیٹھے، حالانکہ اس سے مراد چاندی کا سکہ ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جب چاندی اور کاغذ مختلف الجنس ہیں اور کاغذ میں قدر نہیں تو قاعدہ کہتا ہے فضل بھی جائز ہو اور نسیہ بھی اور یہی اعلی حضرت کے فرمان (فتاوی رضویہ ج ۱۲: ص: ۶۱۱، امام احمد رضا اکیڈمی) کا مستفاد ہے، جس سے انہیں وہم ہوا اور وہ نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع کو جائز کہہ بیٹھے، حالانکہ یہاں جنس ایک ہے اگر چہ قدر نہیں تو فضل جائز ہوا اور نسیہ حرام۔ بہر کیف قائلین قول اول تو فی الحال ہماری بحث سے خارج ہیں کیوں کہ یہ قول فقہا کے نزدیک بدیہی البطلان ہے، اور ہمارے جواب اول میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ قاعدہ غیر منخرمہ ہے یعنی کہیں منقوض نہیں اور جبکہ نوٹ، نوٹ کی جنس ہے تو نسیہ کیوں کر جائز ہوسکتا ہے۔

رہے قائلین قول ثانی جنہیں شبہہ اور وہم غالبا احکام شریعت کے مسئلہ نمبر ۴۶ سے ہوا، جس میں نوٹ کی نوٹ سے بیع کو ایک جانب کے قبضے کی شرط کے ساتھ جائز قرار دیا جارہا ہے، و الیك نصه۔

”یا ایک طرف نوٹ ہے اور دوسری طرف چاندی یا گلٹ یا پیسے یا نوٹ تو صرف ایک بات لازم ہے کہ ایک طرف کا قبضہ ہو جائے، اگر بیع وشرا کر لی اور نہ بائع نے مشتری کو مبیع دی نہ مشتری نے بائع کو ثمن تو حرام ہے، اور اگر ایک طرف کا قبضہ ہو جائے تو جائز، اگر چہ دوسری طرف سے ابھی نہ ہوا اور اس صورت میں پیسے دو پیسے خواہ زائد کی کمی بیشی یا سو کا نوٹ ایک روپیہ، یا ایک روپیہ کا (نوٹ) سو روپیہ کو برضا مندی بیچنا سب جائز ہے۔“ (ص: ۱۲۷)

حالانکہ اس مسئلہ میں بھی بیع حال ہی کو جائز قرار دیا جارہا ہے نا کہ بیع مؤجل یا بیع نسیہ (ادھار خرید وفروخت) کو۔ دست بدست یا یـدا بیـد (یعنی بیع حال) میں ہمیشہ تقابض بالبراجم شرط ہو ایسا نہیں بلکہ کبھی تعیین سے بھی اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ یعنی دست بدست بیع میں کبھی تو مجلس میں تقابض بالبراجم (یعنی بدلین کا ہاتھوں سے قبضہ) ضروری ہوتا ہے کبھی مجلس میں بدلین کے تخلیہ سے اس کی تفسیر کی گئی ہے اور کبھی تعیین سے۔

كفل الفقيه الفاهم میں ہے:

’’(يدا بيد) لكن قد علم من مارس الفقه ان هذا اللفظ ليس نصا صريحا فى التقابض بالبراجم، الا ترى! علمائنا رحمهم الله تعالى فسره فى الحديث المعروف بالعينية كما قال فى الهداية:"و معنى قوله ﷺ يدا بيد عينا بعين، كذا رواه عبادة بن صامت رضى الله تعالى عنه، كيف و قد قال اصحابنا رضى الله تعالى عنهم ان التقابض انما يشترط فى الصرف، واما ما سواه مما يجرى فيه الربا فانما يعتبر فيه التعيين كما فى الهداية و غيرها‘‘۔

(فتاوی رضویہ: ج:۱۲،ص:۶۵۹)

احکام شریعت کے اس مسئلے سے بیشک یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نوٹ کی نوٹ سے (گویا فلوس کی فلوس سے) کمی زیادتی کے ساتھ بیع حال جائز (نقد خرید وفروخت) ہے، جبکہ ایک جانب سے قبضہ ہوگیا ہو اور مخفی نہ رہے کہ یہ مسئلہ بيع الفلس بالفلسين (او اكثر) کے مشابہ ہے، وجہ شبہ یہ ہے کہ نوٹ اور فلس دونوں ہی ثمن اصطلاحی ہیں یوں ہی دونوں ہی میں قدر نہیں کہ نہ وزنی ہیں نہ کیلی بلکہ عددی ہوگئے ہیں، لہٰذا جو اس کا حکم وہی اس کا حکم ہونا چاہئے۔

فى تنوير الابصار و الدر المختار:"(كحفنة بحفنتين و تفاحة بتفاحتين و فلس بفلسين)او اكثر (باعيانهما)--- فلو كان غير معينين او احدهما لم يجز اتفاقا"۔ (ج:۵،ص:۳۰۱)

و بعد اسطر:"(باع فلوسا بمثلها او بدراهم او بدنانير،فان نقد احدهما جاز)و ان تفرقا بلا قبض احدهما لم يجز لما مر"۔ (ج:۵،ص:۳۰۶)

فلس کی فلسین سے اور فلوس کی فلوس سے کمی زیادتی کے ساتھ جس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اس سے مراد بیع حال یعنی دست بدست بیع ہی ہے نہ کہ نسیئہ، جبھی تو ’’درمختار‘‘ میں بیان کردہ تمام صورتوں پر یہ کہہ کر تفریع فرمائی:"فجاز الفضل لفقد القدر و حرم النساء لوجود الجنس"(ج:۵،ص:۳۰۲)

اس کے تحت امام شامی نے فرمایا:"تفريع على جميع ما مر ببيان ان وجه جواز الفضل فى هذه المذكورات كونها غير مقدرة شرعا و ان اتحد الجنس ففقدت احدى العلتين، فلذا حل الفضل و حرم النساء"۔(ایضاً)

فلس کی فلسین سے بیع کو جائز قرار دیا، اور ایک ہی مجلس میں جانبین کے تقابض کو لازم بھی قرار نہ دیا، باوجود اس کے درمختار میں اس بیع کو ادھار بیع نہ فرمایا، بلکہ صاف فرمایا کہ ان کی ادھار بیع حرام ہے، خواہ ایک طرف سے قبضہ ہوگیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ وجہ یہی ہے کہ نقد بیع میں کبھی تعیین بالتقابض ہوتی ہے کبھی تعیین بدون التقابض، مجلس عقد میں شئ موجود ہو یا نہ ہو ہاں ملک میں موجود ہونا ضروری ہے۔

بعض حضرات کو یہ وہم ہوا کہ جب دونوں میں سے صرف ایک جانب کا قبضہ شرط ہے تو دوسری جانب نہیں ہوگا مگر ادھار اور یوں یہ بیع حال نہ رہی مؤجل یا نسیئہ ہوگئی۔ یعنی بدل موجود نہ ہوگا اور جب موجود نہیں تو ادھار ہے اور ان کے زعم میں اسی کو جائز کہا جارہا ہے، وبعبارۃ اخری وہ یہ مطلب سمجھے کہ فلوس کی فلوس سے بیع میں ایک جانب سے نقد اور دوسری جانب سے ادھار کے جواز کا ذکر کیا جارہا ہے اور شاید اسی وہم کی بنا پر انہوں بریکٹ میں مطلق قاعدہ کو مقید کر کے نیا قاعدہ گڑھ دیا۔

فرماتے ہیں:

’’ہمارے جمیع علما رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ حرمت ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ تول ہے، اتحاد جنس کے ساتھ، تو اگر قدر وجنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار (اگرچہ ایک ہی طرف سے ہو) دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو (بیشی اور دونوں طرف سے ادھار یہ دونوں) حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور (دونوں طرف سے) ادھار حرام ہے۔اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں۔۔۔۔‘‘

قدر وجنس دونوں کے فقدان کے وقت فضل بھی جائز اور نسیہ بھی، اس قاعدہ کو فاضل مجیب نے اتنا عام کیا کہ دونوں طرف سے ادھار یعنی ادھار کی ادھار سے بیع کو بھی جائز کہہ دیا، اور قدر وجنس میں سے کوئی ایک نہ ہو تو فضل جائز اور نسیہ حرام، اس حرمت کو دونوں طرف سے ادھار ہونے سے مقید کر دیا، گویا موصوف کے نزدیک قدر وجنس دونوں کے فقدان کے وقت ادھار کی ادھار سے بیع بھی جائز اور قدر وجنس میں سے کسی ایک کے فقدان کے وقت ادھار بیع بھی جائز (بشرطیکہ ایک طرف سے نقد ہو)۔کاش اس پر ’’ہمارے جمیع علمارحمہم اللہ‘‘ میں سے کسی ایک بھی عالم سے کوئی ایک مثال بھی پیش فرمائی ہوتی!!

پھر لطف کی بات تو یہ ہے کہ قوسین میں باقاعدہ قاعدے کی درگت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ’’یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں، اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں‘‘۔ لیجئے اس خود ساختہ قاعدے کا انتقاض ملاحظہ ہو: سرکار اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا روپیہ کے سترہ آنے یا ساڑے سولہ آنے ٹھہرا کر دو چار روز میں لینا کیسا؟ فرمایا:

’’اگر روپیہ سترہ آنے یا سولہ آنے کا برضائے مشتری بیچا اور قیمت چار دن یا دو دن یا دس برس بعد دینی ٹھہری تو وہ جائز ہے، جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دے دیا گیا ورنہ بیع باطل ہوجائے، لکونہ افتراقا عن دین بدین و یکفی قبض احد البدلین۔۔۔‘‘(ج:۱۲،ص:۵۸۷)

اب بتائیے یہاں نہ قدر ہے نہ جنس، روپیہ چاندی کا اور آنے تانبے وغیرہ کے۔تب بھی اسی جلسے میں روپیہ کے قبضے کی شرط کیوں لگائی جارہی ہے اور یہ کیوں فرمایا جارہا ہے کہ ’’اگر ایسا نہ ہو تو بیع باطل ہوجائے لکونہ افتراقا عن دین بدین ۔۔۔اسی طرح دوسرا قاعدہ بھی منقوض ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔دین کی دین سے بیع کی نہی تو حدیث پاک میں مطلقا وارد ہوئی ہے۔ہم جنس سے ہو کہ مختلف الجنس سے۔

قدر وجنس میں سے کسی ایک کے فقدان کے وقت نسیہ حرام ہونے کے لئے دونوں کا ادھار ہونا شرط نہیں، ایک جانب سے بھی دین ہو جب بھی حرام ہی ہے، بلکہ بیع نسیہ اسی کو کہتے ہی ہیں جس میں دین مؤجل ہو، (ایک طرف سے قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بلکہ صرف تعین ہو)

’’فتح القدیر‘‘ میں ہے:

”یجوز البیع بثمن حال و مؤجل، لاطلاق قولہ تعالی:(احل اللہ البیع۔۔) و ما بثمن مؤجل بیع۔۔“

امام شامی فرماتے ہیں:

’’اذا تبایعا کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی کلاھما من جنس واحدا و من جنسین مختلفین ،فان البیع لا یجوزحتی یکون کلاھما عینا اضیف الیہ العقد و ھو حاضر او غائب بعد ان یکون موجودا فی ملکہ و التقابض قبل الافتراق بالابدان

لیس بشرط لجوازہ۔۔۔۔الخ'' (ج:۵،ص:۳۰۴)

یعنی کیلی کو کیلی سے یا وزنی کو وزنی سے بیچا، دونوں کو ایک ہی جنس سے یا مختلف جنس سے بہر حال بیع ناجائز ہے، مگر یہ کہ وہ دونوں جن پر عقد واقع ہوا معین ہوں، عام از ایں کہ وہ مجلس عقد میں موجود ہوں یا غیر موجود ہوں، ہاں ملک میں موجود ہونا ضروری ہے۔

دین کی دین سے بیع کے باطل ہونے کے لئے اس کا قدر وجنس سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم جنس و ہم قدر ہوں یا قدر و جنس دونوں مفقود ہوں، یا قدر ہو جنس نہیں یا جنس ہو قدر نہیں ان تمام صورتوں میں دین کی دین سے بیع ناجائز ہے اور معین ہونے کی صورت میں دین ہی نہیں عین ہے۔

مذکورہ بالا حروف میں تو اس وضع کردہ قاعدہ کا بطلان اور انتقاض تھا مگر اب یہ بتایا جائے کہ ایک جانب سے قبضہ ہو اور جنس و قدر میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو نسیئہ (یعنی ادھار بیع) بھی جائز ہے، کیا اس کی کوئی ایک مثال بھی قائلین پیش فرما سکتے ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے مطلق بلا کسی قید کے فرمایا: "ھذہ قاعدۃ غیر منخرمۃ" یعنی یہ قاعدہ کبھی اور کہیں منقوض نہیں، خدا جانے کس اصل و مثل کی بنا پر اس قاعدہ (قدر و جنس سے کوئی مفقود تو نسیئہ حرام) کو دونوں طرف ادھار سے مقید و خاص کر دیا گیا، حالانکہ وہ عام اور مطلق ہے، ہر حال میں نسیہ حرام ہی ہے۔

دراصل معاملہ یہ ہے کہ یہاں موصوف نے دو بڑی مصیبتیں مول لے لی ہیں۔ ایک تو دین کا ترجمہ ادھار کر کے دوسری تعیین بالقبض کو تو نقد اور تعیین بغیر القبض کو ادھار (یا دین مؤجل) مان کر۔ حالانکہ یہاں (یعنی مسئلہ مبحوث عنہ میں) بدلین حال اور معجّل ہی ہیں، ان میں کوئی ادھار یا دین مؤجل نہیں، ایک طرف سے تو قبضہ شرط ہے اور دوسری جانب سے دین ضرور ہے مگر دین مؤجل نہیں بلکہ دین حال اور معجّل ہے۔ تمام شبہات کی بنیاد یہی دو باتیں ہیں: ایک دین کا ترجمہ ادھار کرنا اور دوسرا تعیین بالقبض کو حال اور تعیین بغیر القبض کو ادھار یا دین حال (یعنی دین معجّل) کو دین مؤجل سمجھ لینا ہے۔ ذیل کے سطور میں انہی دونوں شبہات کو دفع کیا جاتا ہے۔

(۱) شبہ اولیٰ: دین کی تفسیر ادھار سے کرنا: جاننا چاہئے کہ یہاں دین کا ترجمہ یا تفسیر ادھار سے کرنا ایسا ہی ہے جیسے کلمہ کی تفسیر اسم سے کر دی جائے، جس طرح ہر اسم کلمہ ہے مگر ہر کلمہ اسم نہیں یوں ہی ہر قرض دین ہے مگر ہر دین قرض و ادھار نہیں، ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہاں ایک یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اردو کا دامن تنگ ہو یا نہ ہو مگر ان جگہوں پر عموماً دین کا ترجمہ بہت سے لوگ قرض یا ادھار سے کر دیتے ہیں، مگر لفظ نسیئہ ہو یا دین دونوں کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفاہیم میں فرق ہے۔

نسیئہ کہتے ہیں کسی موجود شئی کو ثمن مؤجل (دین مؤجل) سے بیع کرنا، جیسا کہ فتح القدیر سے ابھی گزرا "البیع بثمن مؤجل"۔

دین کی تعریف و تقسیم: ہر وہ چیز جس کی ادائیگی ذمہ میں ثابت ہو اسے دین کہتے ہیں عام از ایں کہ وہ قرض ہو یا مبیع کا ثمن۔ پھر دین کی دو قسمیں ہیں: دین حال (یعنی دین معجّل) اور دین مؤجل۔ دین حال یا دین معجّل اس دین کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی عند الطلب واجب ہوتی ہے، لہٰذا فوراً اسی مجلس میں بھی مطالبہ ادائیگی جائز و

درست ہے اور مجلس بدلنے کے بعد بھی۔ تنویر و در میں ہے:

"(صح بثمن حال)و هو الاصل (و مؤجل الی معلوم)لئلا یفضی الی النزاعۃ۔ و قال الشامی:(وهو الاصل)لان الحلول مقتضی العقد و موجبه والاجل لا یثبت الا بالشرط ۔۔" (ج:۵،ص ۴۷)

اور دین مؤجل وہ دین ہوتا ہے جسکی ادائیگی میعاد واجل آنے سے پہلے واجب نہیں ہوتی، ہاں اگر وقت سے پہلے ادا کردے تو بھی درست ہے اور مدیون کے ذمہ سے ساقط ہوجائیگی۔

کچھ دیون ایسے ہوتے ہیں جو مؤجل اور میعادی ہو ہی نہیں سکتے، حال ہی ہوں گے یعنی ان کی تاجیل جائز نہیں اگر تاجیل کر دی تو عقد فاسد ہوجائے، مثلاً بیع سلم میں راس المال اور بیع صرف میں بدلین، (یہ باتفاق فقہا ہے)، اما ما نحن فیه یعنی نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع میں دین اگر مؤجل کر دیا تو عقد فاسد اور ناجائز ہوجائیگا اگرچہ ایک جانب سے قبضہ ہولیا، اس میں ایک طرف سے قبضہ اور دوسری طرف سے دین کا حال و معجّل ہونا ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دین معجّل و دین مؤجل میں ویسا ہی فرق ہوتا ہے جیسا مہر معجّل و مہر مؤجل میں ہوتا ہے (کہ مہر معجّل بھی شوہر کے ذمہ لازم ہوتا، مگر وقت عقد یا مجلس عقد میں ہی ادا کرنا لازم نہیں، ہاں عورت کو فوراً مانگنے اور منع نفس کا حق و اختیار ہوتا ہے)، لہٰذا بیع حال میں ثمن کے مشتری پر دین معجّل ہونے سے بیع حال بیع نسیئہ (ادھار بیع) نہ ہو جائے گی بھلے ہی مشتری نے ثمن مجلس ہی میں ادا نہ کیا ہو بلکہ مجلس بدلنے کے بعد ادا کیا ہو، مثال سے سمجھئے: عقد بیع مین بائع کے ذمہ مبیع اور مشتری کے ذمہ ثمن کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ بائع نے مبیع سپرد کر دی، مشتری نے ابھی ثمن ادا نہیں کیا تو کہا جاتا ہے کہ مشتری کے ذمہ میں ثمن دین ہے یعنی انکی ادائیگی لازم ہے، مگر یہ بیع ادھار نہیں اور نہ ہی ثمن مؤجل و میعادی ہے بلکہ بیع حال ہی ہے، بیع نسیئہ تو اس وقت ہوتی جبکہ عقد ہی میں ثمن کی تاجیل مقرر کر لیتے۔

صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

''بیع میں کبھی ثمن حال ہوتا ہے یعنی فوراً دینا اور کبھی مؤجل یعنی اس کی ادا کے لئے کوئی میعاد معین ذکر کردی جائے کیوں کہ میعاد معین نہ ہوگی تو جھگڑا ہوگا، اصل یہ ہے کہ ثمن حال ہو لہٰذا عقد میں اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ ثمن حال ہے، بلکہ عقد میں ثمن کے متعلق اگر کچھ نہ کہا جب بھی فوراً دینا واجب ہوگا اور ثمن مؤجل کے لئے یہ ضرور ہے کہ عقد ہی میں مؤجل ہونا ذکر کیا جائے۔۔۔(جزو:۱۱،ص:۶۲۶)

خلاصہ کلام یہ کہ یہاں دین کا ترجمہ یا تفسیر جو ادھار سے کی گئی ہے وہ صحیح نہیں، یہاں ترجمہ وہی ہونا چاہئے جو حضرت حجۃ الاسلام نے ''کی لا یفترقا عن دین بدین ''اور''نهی النبی ﷺ عن بیع الکالی بالکالی ''کا فرمایا ہے، پہلی عبارت کا ترجمہ ''دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں'' اور دوسری عبارت کا ترجمہ ''نبی ﷺ نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے''، دیکھئے یہاں دین کا ترجمہ دین فرمایا گیا ہے نہ کہ ادھار یا قرض۔ فلیتامل۔ و اللہ تعالی اعلم و صلی الله تعالی علی رسوله المکرم و علی آله و اصحابه و سلم۔

(۲) اب رہ گیا دوسرا شبہ یعنی تعیین بالقبض کو ہی حال اور تعیین بغیر القبض (یا دین معجّل) کو ادھار سمجھنا۔

تو اس قول کے قائلین کے تمام شبہات و اوہام کا ازالہ و دفعیہ مندرجہ ذیل عبارتِ جدالممتار کے غور و فکر میں پوشیدہ ہے:

’’الاثمان لا تتعين بالتعيين، و الوجه فی ذلك ان النسيئةفی غير الاثمان تندفع بمجرد التعيين فلا يكون افتراقا عن دين بدين، و لا احدهما دينا اذا عينا و لو لم يقبضا كالبر بالبر، و التمر بالتمرمثلاء، و اما فی الاثمان فلا تندفع بمجرد التعيين فلا يكون افتراقا الا بعد القبض بالبراجم، لانها لا تتعين بالتعيين، فمن نظر الی ان الفلوس ليست باثمان فی اصل الخلقة جوز بيع فلس بفلسين بمجرد التعيين، و من نظر الی انها اثمان اصطلاحا شرط التقابض لدفع النسيئة‘‘ (۱۳۱/۶)

اس عبارت کا سبب ورود اور اس کا پس منظر ایک تفصیلی بحث ہے وہ یہ کہ امام شامی نے مسئلہ بیع الفلس بالفلسین میں شیخین و امام محمد کا اختلاف ذکر فرمایا ہے، کہ شیخین کے نزدیک ایک معین فلس کی دو معین فلس سے بیع جائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے جبکہ مجلس میں ہی دونوں جانب سے قبضہ نہ ہو، اور اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ مروجہ فلوس اثمان ہیں اور اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، تو امام محمد کے نزدیک بیع الفلس بالفلسین، بیع الدرہم بالدرہمین کے مثل ہے کہ دونوں ہی ناجائز ہیں اور شیخین کے نزدیک فلوس جبکہ اثمان خلقیہ نہیں تو اصطلاح عاقدین سے ان کی ثمنیت باطل ہوسکتی ہے اور جب باطل ہو جائے تو وہ بھی مثل عروض متعین کرنے سے متعین ہو جائیں گے، اس کی توجیہ سرکار اعلیٰ حضرت جدالممتار کی مذکورہ بالا عبارت میں یہ فرماتے ہیں کہ غیر اثمان میں نسیئہ محض تعیین سے دفع ہو جاتا ہے تو وہ ادھار کی ادھار سے بیع کرکے جدائی نہ کہلائے گی اور نہ ان میں سے ایک بھی ادھار ہوگا جبکہ دونوں معین ہوں اگرچہ مجلس میں کسی پر قبضہ نہ ہوا ہو، مثلاً گیہوں کی گیہوں سے اور کھجور کی کھجور سے بیع، اور رہا اثمان میں تو ان میں محض تعیین سے نسیئہ دفع نہیں ہوتا تو مجلس ہی میں ہاتھ سے قبضہ شرط ہے، اس لئے کہ وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، تو جس نے اس جہت کو ملحوظ رکھا کہ فلوس (پیسے) اصل خلقت میں اثمان نہیں ہیں انہوں نے پیسے کی دو پیسے سے بیع کو معین ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا اور جنہوں نے فلوس کے ثمن اصطلاحی ہونے کو مدنظر رکھا اس نے ادھار (نسیئہ) کے دفع کے لئے تقابض کو لازم قرار دیا۔ انتہی

اور قول ثانی کو صاحب رد المحتار نے امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ امام محمد سے اس سلسلے میں دو قول ہونے کا قول ذکر فرمایا ہے، ایک قول ہے کہ تقابض شرط ہے اور دوسرا قول ہے کہ تقابض شرط نہیں۔

قول اول، اصل (المبسوط) کی کتاب الصرف میں ہے اور قول ثانی، الجامع الصغیر کی ایک عبارت کا مدلول ہے، حالانکہ سرکار اعلیٰ حضرت کو جامع الصغیر کی اس عبارت کا الزام تقابض طرفین پر دلالت کرنے میں تامل قوی ہے، كفل الفقيه الفاهم میں جامع صغیر کی اس عبارت پر سیر حاصل کلام فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

’’فوجب حمله علی اشتراط التعيين‘‘، (تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں) اور فرماتے ہیں کہ امام محمد کا ’’باعيانها‘‘ فرمانا ’’يدا بيد‘‘ کی تفسیر ہے، یعنی دست بدست کی تفسیر ’معین‘ ہونا ہے نہ یہ کہ تقابض بالبراجم ہو۔ اور فرماتے ہیں: ’’فظهر ظهور الشمس فی رابعة النهار ان ليس فی الجامع دليل علی ما فهم هؤلاء الاعلام الخ۔۔۔‘‘ (۳۱۷/۲۱)

اسی طرح تنویر پھر در میں ہے: ’’المعتبر تعيين الربوی فی غير

الصرف بلا شرط تقابض)حتی لو باع برا ببر بعینهما و تفرقا قبل القبض جاز۔۔۔۔"(۳۰۴/۵)

پھر ردالمحتار میں اس کا تفصیلی بیان ہے(بخوف طوالت اس کو نقل کرنے سے پرہیز کیا جارہا ہے۔ من اراد التفصیل فلیرجع الیه)

خلاصہ کلام یہ کہ غیر صرف (سلعہ) کی بیع حال میں یعنی نقد خرید وفروخت میں تقابض شرط نہیں، تعیین کافی ہے۔ بھلے ہی مجلس عقد میں کسی پر قبضہ نہ ہوا ہو، نہ بائع نے ثمن پر نہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا ہو،مجلس بدل جانے کے بعد بھی اگر لین دین ہوا تو یہ بیع نسیئہ یا ادھار نہ ہو جائیگی۔ہاں البتہ اثمان اصطلاحیہ میں ایک طرف کا قبضہ شرط کیا گیا اس لئے کہ ثمن اصطلاحی اگر چہ اصل خلقت میں عروض وسلع ہیں مگر چلن کی وجہ سے ثمن ہو گئے ہیں اور ثمن تعیین سے متعین نہیں ہوتے ، بلکہ ان میں قبضہ شرط ہے۔

ان حضرات کو غالبا وہم اسی بات سے ہوا کہ فلس کی فلسین سے بیع کو اس شرط کی ساتھ جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ ان میں سے ایک نقد ہو یعنی ایک جانب سے اسی مجلس میں قبضہ ہو گیا ہو۔جیسا کہ در سے گزرا:"باع فلوسا بمثلها۔الخ۔۔۔"(ج:۵،ص:۳۰۶)

اور جبکہ ایک جانب سے نقد اور قبضہ ہے اور دوسری جانب سے ایسا نہیں یعنی دوسری جانب عین نہیں دین ہے،تو یہ گویا ادھار بیع ہوئی حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ ایک جانب سے اسی مجلس میں قبضہ اس لئے ہے تاکہ دین کی دین سے بیع کر کے جدائی لازم نہ آئے اور دوسری جانب دین ہے ضرور مگر معجّل ہے، اور وہ نسیئہ کو دفع کر رہا ہے۔دیکھئے صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

"خود نوٹ کو نوٹ کے بدلے میں بیچنا بھی جائز ہے،اور اگر دو نوٹ معین کر لیں تو ایک نوٹ کے بدلے میں دونوں بھی خرید سکتے ہیں، جس طرح سے ایک پیسے سے معین دو پیسوں کو خرید سکتے ہیں،روپوں سے اس کو خریدا یا بیچا جائے تو جدا ہونے سے پہلے ایک پر قبضہ ہونا ضروری ہے۔"(بہار شریعت:۱۱/۸۳۲)

مزید تفصیل وتوجیہ ملاحظہ ہو: فلوس کو جب ثمن قرار دے دیا جائے تو وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔(ہندیہ:۳/۲۲۳)

فلس کی معین فلسین سے بیع کو فقہا کی ایک جماعت نے جائز قرار دیا ہے جبکہ ایک جانب سے قبضہ ہو جائے۔درمختار میں بیع الفلس بالفلسین کو دیگر تمام مثالوں کے ساتھ ایک ہی سیاق میں ذکر کرنے کے بعد فرمایا:"فضل جائز ہے اور نسیہ حرام،اس لیے کہ قدر مفقود کہ(فلس ہو یا نوٹ) عددی ہو گئے ہیں اور جنس موجود تو فضل جائز اور نسیہ حرام، اب بتایا جائے کہ صرف ایک جانب سے قبضے کو مشروط بھی کیا جارہا ہے، دوسری جانب دین ہے اور پھر بھی کہا جارہا ہے کہ نسیہ حرام ہے پتہ چلا کہ یہ بیع حال ہی ہے نہ کہ نسیئہ، دوسری جانب سے اسی مجلس میں قبضہ کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع حال سے بیع مؤجل یا بیع نسیئہ نہ ہوگی۔وجہ اس کی وہی ہے کہ فلوس کی فلوس سے بیع میں کوئی ایک ضرور مبیع ہوگا اور دوسرا ثمن، جو مبیع قرار پائیگا اس کی ثمنیت عاقدین کے باطل کرنے سے باطل ہو جائیگی، جب ثمنیت باطل ہوگئی تو وہ مثل عروض وسلع ہوگیا اور متعین کرنے سے متعین ہو جائیگا اور اوپر معلوم ہو چکا کہ فلوس کو ثمن بناؤ گے تو درہم و دینار کی طرح متعین نہ ہوگا،تو لامحالہ مبیع متعین نہ ہوا اور اسی مجلس میں اس پر قبضہ ہونا شرط ہوا اور ثمن کی ادائیگی دین (معجّل) ہوکر ذمہ میں لازم ہوگئی،خواہ اسی مجلس میں ادا کرے یا مجلس بدلنے کے بعد۔یہی

بات احکام شریعت کے مسئلہ ۴۶ میں بتائی گئی ہے، اس سے نوٹ کی نوٹ سے بتفاضل وزیادتی ادھار بیع کو جائز سمجھنا صحیح نہیں، اور احکام شریعت کے اس فتوے کا وہ مفہوم کیوں کر ہوسکتا ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت نے خود ''کاسر السفیہ الواھم'' میں فرمایا: ''رسالہ میں (کفل میں) دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ روپوں (درہم) کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے، اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا، تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلا کچھ متحد نہیں۔۔۔ (۱۲/ ۷۵۹)

پھر جاننا چاہیے کہ فقہا کہیں تو تقابض (دونوں جانب سے قبضہ) کی شرط لگاتے ہیں، کہیں ایک جانب سے اور کہیں تعیین بغیر القبض کی شرط کرتے ہیں۔ اور (تقابض یا قبضہ یا تعین) کی شرط اسی لیے لگائی جاتی ہے تا کہ نسیہ یعنی ادھار بیع کو دفع کیا جاسکے، نیز دین کی دین سے بیع کر کے جدائی نہ لازم آئے (ولئلا یکون افتراقا عن دین بدین) اور چونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے تو ان کی آپس میں بیع میں نسیہ کو دفع کرنے کے لیے تقابض یعنی دونوں طرف کا قبضہ شرط ہوتا ہے اور غیر اثمان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں تو مجرد تعیین سے نسیہ دفع ہو جاتا ہے، تقابض و قبضہ شرط نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر ثمن اصطلاحی کی ثمن سے نقد بیع ہو تو ایک طرف کا قبضہ اس لیے شرط کیا گیا کیوں کہ ثمن اصطلاحی اگر چہ اصل خلقت میں غیر ثمن ہے مگر چلن میں تو ثمن ہے۔ ''پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیوں کہ مشتری کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا۔۔۔۔ (ترجمہ عبارت کفل الفقیہ ۱۲/ ۱۴۷)

تقریب فہم کے لئے بالفاظ دیگر عرض کرتے ہیں:

قدر و جنس میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو فضل جائز نسیہ حرام، یہ قاعدہ بلا کسی قید کے ہر جگہ جاری ہے، فرق صرف یہ ہے کہ کہیں تو نسیہ کو دفع کرنے کے لیے مجرد تعیین کافی ہوگی، کہیں نسیہ کو دفع کرنے کے لیے جانبین کا قبضہ شرط ہوگا اور کہیں بیع الکالی بالکالی کو دفع کرنے کے لیے صرف ایک جانب کا قبضہ شرط ہوگا:

(۱) تعیین عوضین بیع الکالی بالکالی کو بھی دفع کرتی ہے اور نساء کو بھی دفع کرتی ہے۔

(۲) تعیین احد العوضین بیع الکالی بالکالی کو دفع کرتی ہے، لیکن جانب آخر کے نساء کو دفع نہیں کرتی۔

(۳) قبضہ عوضین بیع الکالی بالکالی اور نساء دونوں کو دفع کرتی ہے۔

(۴) لیکن قبضہ احد العوضین صرف بیع الکالی بالکالی کو دفع کرنا جانب آخر کے نساء کو دفع نہیں کرتا۔

(از: افادات قاضی صاحب مدظلہ العالی)

(۱) غیر اثمان چوں کہ متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں تو ان میں مثلا جو کی گیہوں سے بیع، میں جنس مختلف مگر قدر موجود تو فضل جائز نسیہ حرام اور کسی طرف کا قبضہ شرط نہیں، صرف تعیین کافی ہے اگر چہ مجلس میں کسی جانب قبضہ نہ ہوا، اور یہ نہ ادھار کی ادھار سے بیع کہلائے گی نہ ایک جانب ادھار کہلائے گی، کمافی جدالممتار۔

(۲) اور اگر اثمان خلقیہ ہوں یعنی سونے کی چاندی سے بیع یہاں

قدر وجنس میں سے جنس مختلف ہے تو فضل جائز اور نسیئہ حرام اور چوں کہ اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے لہٰذا نسیہ کو دفع کرنے کے لیے تقابض یعنی دونوں طرف کا قبضہ شرط ہوا۔

(۳) اثمان غیر خلقیہ یعنی اثمان اصطلاحیہ کی بیع، مثلاً فلوس کی فلوس سے یا نوٹ کی نوٹ سے بیع، یہاں جنس اگر چہ ایک ہی ہے مگر قدر نہیں اس لیے وہی قاعدہ جاری ہوگا کہ فضل جائز نسیہ حرام۔ اب یہاں ایک جانب کا قبضہ شرط ہے، وجہ وہی چلن میں ثمن ہونا ہے۔ اگر ایک جانب کا قبضہ اسی مجلس میں ہوگیا اور دوسری جانب سے دین معجّل ہے تو مجلس بدل جانے سے نقد بیع ادھار نہ ہو جائے گی۔ بیع ادھار اس وقت ہوتی جب کہ عقد میں اس کی شرط رکھی جاتی، کما مر مرارا۔

صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی جانب سے ادا کرنے کی کوئی مدت مقرر ہوئی مثلاً چاندی آج لی اور روپیہ کل دینے کو کہا یہ عقد فاسد ہے۔ (بہار شریعت ۱۱/۸۲۳)

ایک اور مثال لیجئے، زید نے عمرو سے ایک ہزار روپے کے نوٹ کے عوض ڈیڑھ ہزار کے نوٹ خریدے نقد، اور ان میں سے کسی ایک کے پاس ابھی نوٹ موجود نہیں مثلاً زید کے پاس ایک ہزار کے نوٹ موجود نہیں، مثلاً الماری میں رکھے ہیں اور الماری کی چابی ابھی پاس نہیں تو اسی مجلس میں اگر زید عمرو کے دیے ہوئے دو ہزار کے نوٹ پر قبضہ کرلے اور مجلس بدلنے کے بعد عمرو کو الماری سے نکال کر ایک ہزار دے دے تو یہ جائز ہے کہ یہ ادھار بیع نہیں بلکہ نقد ہی ہے صرف مجلس بدل جانے سے نقد ادھار نہیں ہوجاتا اور یہی مدعا ہے جو مدلل ہو چکا۔

بہار شریعت میں ہے:

''مجلس بدلنے کے یہاں یہ معنی ہیں کہ دونوں جدا ہو جائیں ایک ایک طرف چلا جائے اور دوسرا دوسری طرف یا ایک وہاں سے چلا جائے اور دوسرا وہیں رہے اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو مجلس نہیں بدلی، اگر چہ کتنی ہی طویل مجلس ہو۔۔۔۔۔(۱۱/۸۲۲)

وہیں پر ختم کرتے ہیں جہاں سے شروع کیا تھا کہ احکام شریعت کے اس مسئلے سے بیشک یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نوٹ کی نوٹ سے (گویا فلوس کی فلوس سے) کمی زیادتی کے ساتھ بیع حال جائز ہے جبکہ ایک جانب سے قبضہ ہوگیا ہو اور یہ مسئلہ بیع الفلس بالفلسین (او اکثر) کے مشابہ ہے، کیوں کہ نوٹ اور فلس دونوں ہی ثمن اصطلاحی ہیں یوں ہی دونوں ہی میں قدر نہیں کہ نہ وزنی ہیں نہ کیلی بلکہ عددی ہوگئے ہیں، لہٰذا جو اس کا حکم وہی اس کا حکم۔ اب ''فتاویٰ رضویہ'' کا ایک فتوی ملاحظہ فرمائیں، سوال ہوا کہ بیع الفلس بالفلسین جائز ہے کہ ناجائز، فرمایا:

''راجح یہ ہے کہ ناجائز ہے''

(ظاہر ہے یہاں ادھار بیع کے بارے میں دریافت نہیں کیا جارہا ہے کیوں کہ دونوں طرف ہم جنس ہے تو نسیہ کیوں کر جائز ہوسکتا ہے) اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ پیسے دو پیسے کی نقد بیع بھی مذہب راجح میں ناجائز ہی ہے، (ہاں البتہ نوٹ اور پیسے (یعنی تانبے کے سکے) میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ اگر چہ پیسے اصطلاح کی وجہ سے وزنیت سے عددیت کی طرف خروج کر گئے ہیں، مگر ان میں وزنی ہونے کا ایک شبہ باقی ہے برخلاف نوٹ کے۔

پھر ''فتاوی رضویہ'' میں ایک فتوی ہے جس کا مفہوم موافق یہ ہے کہ نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع ناجائز وحرام ہے، سوال ہوا کہ زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ

پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھ لیا پھر زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم روپے وصول کرلو، عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زید نے بکر کو اگر وکیل بنادیا ہو یا گیارہ سو کا بکر کو مالک بنا دیا ہو تو جائز ہے، اور اگر صرف قاصد بنایا ہو تو ناجائز ہے، اس آخری جملے سے صاف مستفاد ہے کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوا اور یہ نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع ہوئی اور یہ ناجائز وحرام ہے، اور اس میں ایک جانب سے قبضہ کا کوئی ذکر نہیں۔

(۲۵۲/۷، قدیم)

نیز یہ بات بھی نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے اپنے اسی رسالہ مبارکہ اور متفرق فتاوی میں دفع ربا کے مختلف حیلے ذکر فرمائے ہیں، اگر نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع جائز ہوتی تو ضرور ان میں اس صورت اور اس حیلے کو ذکر فرماتے کہ یہ صورت اگر ربا سے فرار کا حیلہ بن سکتی تو سب سے آسان اور سہل صورت ہوتی مگر کیا وجہ ہے کہ اس کو ترک فرما کر مشکل حیلے ذکر فرمائے جارہے ہیں، جب عوام کو سہولت وآسانی ہی پہنچانا مقصود ہے تو سب سے آسان اور سہل حیلہ کیوں کر ترک فرما دیا جاتا؟ چلو بالفرض امام احمد رضا جیسے طباع وذہین اور اخاذ فقیہ اعظم نے اسے ترک فرمادیا تو باقی فقہا نے اس حیلے کو کیوں اپنی کتب میں کہیں ذکر نہ کیا، ''فتاوی قاضی خان'' میں فصل فیما یکون فرارا عن الربا ہے، اس میں یا کہیں بھی مبحوث عنہ صورت کا گزر نہیں۔

جہاں کہیں بھی نوٹ کی کمی زیادتی کے ساتھ ادھار بیع کا ذکر ہے، وہاں سرکار اعلیٰ حضرت نے مخالف جنس سے بیع کو جائز فرمایا ہے اور جزیہ بھی ایسا نقل فرمایا ہے جو جنسین کی بیع کے متعلق ہے، اور اگر ہم جنسوں کی کمی زیادتی کے ساتھ بیع کا ذکر ہے وہاں نقد بیع مراد ہے نا کہ ادھار، کہیں ایک مثال ایسی نہ ملے گی جہاں ہم جنس کی بتفاضل و زیادتی ادھار بیع کو جائز قرار دیا ہے، ایک جانب سے قبضہ ہو یا نا ہو۔

''فتاوی امجدیہ'' میں صدر الشریعہ نے کئی مقام پر اس سوال کا جواب دیا ہے وہاں وہی روپوں (درہم) کو نوٹ سے بیع کرنا مراد ہے۔ البتہ ''فتاوی امجدیہ'' (ج:۳،ص۱۷۷) پر ایک فتوی ہے جس کا عنوان فہرست میں غلط قائم کر دیا گیا ہے یا یہ کتابت کی غلطی ہے، مرتب فہرست نے اس فتوے کا (ص:۴۰۰ پر) یہ عنوان قائم کر دیا: ''نوٹ کی بیع نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے اور ادھار بھی'' جبکہ فتوے میں اس پر نہ کوئی اشارہ ہے نہ دلالت چہ جائے کہ صراحت ہو، فتوے کی کسی عبارت سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ نوٹ کی نوٹ سے ادھار بیع جائز ہے، ہاں اگر اس عنوان پر سوالیہ نشان لگا دیا جائے تو جملہ خبریہ نہ ہو کر انشائیہ ہو جائے اور عنوان پر اعتراض کی کوئی وجہ باقی نہ رہے۔

بہر حال مسئلہ غبار سے بالکل پاک وصاف ہے اور اب ان شاء اللہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کو راہ نہیں، شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف اور مجلس شرعی مبارک پور میں بھی یہ مسئلہ ضمنا زیر بحث آچکا ہے، وہاں بھی اسے سود ہی قرار دیا ہے۔ ''دو ملکوں یا ایک ہی ملک کی کرنسیوں کی باہم خرید وفروخت صرف نقد جائز ہے کہ یہ جنس کے بدلے جنس کی ادھار بیع ہے جو ایک طرح کا سود (ربا النسیہ) ہے۔''

(چوتھی مجلس شرعی، ۳۰ مئی ۲۰۰۴، فیصلہ جات شرعی کونسل، ص:۱۰۹)

☆

فن تفسیر کی اہمیت وافادیت اور اس کا ارتقائی سفر

یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف کے باصلاحیت استاذ حضرت علامہ مفتی محمد معین الدین خان برکاتی کی تازہ ترین تالیف ''وافی شرح بیضاوی شریف'' سے متاثر ہو کر لکھی گئی ایک تہنیتی تحریر

از۔ مفتی محمد سلیم بریلوی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ وہ نیست کو ہست بنائے، عالم امکان کو ''وجودی قبا'' زیب تن کرائے اور کائنات کی تخلیق فرمائے تو اس نے سب سے پہلے اپنے نور سے ہمارے آقا، نبی آخر الزماں، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا۔ انہیں ''خلیفۂ اول'' اور ''نائب مطلق'' کا منصب جلیل عطا فرمایا۔ انہیں اپنا محبوب، ''عالم امکاں کا شاہ'' اور ''خلق کا آقا'' بنایا۔ مگر اس کے ساتھ ہی دنیا میں آپ کو سارے انبیائے کرام کے بعد مبعوث فرمایا۔

آقا کریم بحیثیت مفسر قرآن وترجمان فرقان: سرزمین مکہ پر اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ کو ایک ''جامع منشور''، بے مثل وبے مثال ''دستور'' اور زندگی کے ہر شعبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ایک ایسا کامل واکمل ''قانون'' بھی عطا فرمایا کہ جو ایک طرف تو کامیابی و کامرانی والی ''وسطی شاہراہ'' کی طرف انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے تو دوسری طرف انہیں ہر طرح کی روحانی وجسمانی، اور ذہنی وقلبی شفا بھی عطا فرماتا ہے۔ یہ وہی دستور وآئین ہے جسے ''کلام الٰہی''، فرقان مجید، قرآن کریم اور کتاب اللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا ایسا کلام ہے کہ جس کے ''مخاطب'' ہمارے آقا خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ ظاہر ہے کہ متکلم کے کلام کے معانی و مفاہیم، رموز و اسرار، اشارات و مجملات، منشاء و مقتضیات اور اس کی حقیقی مراد ''مخاطب'' کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اپنے کلام کے مجملات کی تفصیل، عام کی تخصیص، اطلاق کی تقیید، مشروط کی شرط، حکم منزل و موجود کا رفع ونسخ، کلیات، اصول کے جزئیات، کیفیات، احکام کے مکمل خدوخال، اوامر ونواہی کی مکمل کیفیات، معانی ومفاہیم کی تعیین، اس کی مراد کی تشریح وتفسیر اور اس کی توضیح وتبیین متکلم اپنے مخاطب ہی کو بتاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کو مفسر قرآن اور ترجمان فرقان کی حیثیت جلیلہ عطا فرمائی۔ آپ نے اللہ رب العزت کے بتائے سے قرآن کریم کے معانی ومفاہیم، اس کی مراد کی تشریح و توضیح اور تفسیر وتبیین کے سلسلہ میں جو حکمت کے موتی اپنی زبان فیض ترجمان سے صحابہ کرام کو عطا فرمائے وہ احادیث کریمہ یعنی تفسیری روایات کی شکل میں محفوظ ہیں۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو: اصول وکلیات اور امثال وقصص وغیرہ کی صورت میں، فرشتہ کے واسطہ، لوح محفوظ سے براہ آسمان دنیا اللہ رب العزت کی جانب سے جو کلام الٰہی نازل ہوا اسے ''وحیِ متلو'' اور ''کتاب اللہ'' کہتے ہیں۔ من جانب اللہ، قلب رسول پر القا ہونے

والے معانی ومفاہیم اور مضامین پر دلالت کرنے والے جو لعل و گہر آقا کریم ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بصورت کلام جاری ہوئے، انہیں ''وحی غیر متلو'' کے نام سے جانا گیا لیکن اگر اس ''وحی غیر متلو'' کو آقا نے ''اللہ رب العزت'' کی جانب منسوب کرکے بیان کیا ہوتو اسے ''حدیث قدسی'' اور اللہ کی جانب اسناد کے بغیر یہ کلام فرمایا ہوتو اسے ''حدیث رسول'' کے نام سے جانا گیا۔

قرآن کریم کے معانی و مفاہیم بھی اللہ کے اور ان پر دلالت کرنے والے الفاظ وعبارات اور نظم قرآنی بھی اللہ ہی کی جانب سے آئی ہے۔ ایک کو''کلامِ نفسی'' اور دوسرے کو''کلام لفظی'' کہتے ہیں۔ کلام نفسی اللہ رب العزت کی صفت ازلی قدیم ہے اور کلام لفظی حادث ومخلوق ہے۔ اس کے برخلاف حدیث رسول کے معانی و مفاہیم اگرچہ اللہ کی جانب سے القا فرمائے گئے مگر معانی ومفاہیم پر دلالت کرنے والے الفاظ وعبارات ہمارے نبی ﷺ کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا آقا کریم ﷺ نے جو فرمایا، جو کیا، یا جسے برقرار رکھا وہ سب حکم الٰہی، منشائے خداوندی، وحی ربانی اور القائے خداوندی سے کیا۔ قرآن کریم اس کی طرف یوں اشارہ فرماتا ہے:

”وما ينطق عن الهوىٰ۔ ان هو الا وحى يوحىٰ“

(سورۂ نجم آیت ۳،۴ پارہ ۲۷)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی۔ (کنز الایمان)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں یوں ادا فرماتے ہیں ۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

حکمت کا مفہوم: جہاں آقا کریم ﷺ اللہ کی جانب سے نازل ہونے والے کلام الٰہی، کتاب ربانی، قرآن مجید اور فرقان حمید کی تلاوت بھی فرماتے، صحابہ کو پڑھنا بھی سکھاتے وہیں اس کے رموز و اسرار، ''مرادِ الٰہی'' کی تشریح وتوضیح اور تبیین وتعیین کے لئے اپنی زبان اقدس سے ''حکمت'' کے موتیوں کی ''بارانِ رحمت'' بھی فرماتے۔ لہٰذا کتاب ومتن کو''قرآن'' اور شرح وحکمت کو''حدیث'' کہا گیا۔ پتہ چلا کہ احادیث کریمہ کی عبارات اور اس کے الفاظ اگرچہ رسول کے ہیں مگر ان کے مطالب ومعارف یہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہیں جنہیں قرآنی زبان میں ''حکمت'' سے تعبیر فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

”وانزل الله عليك الكتٰب والحكمة وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيماً“۔ (سورۂ نساء آیت:۱۱۳)

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

”واذكرن ما يتلىٰ عليكن فى بيوتكن من اٰيٰت الله و الحكمة“ (سورۂ احزاب آیت ۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔

احادیث کریمہ اور اقوال رسول کی صورت میں یہ حکمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا فرمائی گئی تھی، جس کی تصریح ابو داؤد شریف کی اس حدیث میں بھی ملتی ہے:

"الا انی اوتیت القرآن و مثله معه" (ابوداؤدشریف)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے قرآن بھی عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی۔

اس حدیث میں واضح طور پر فرمایا کہ اللہ کی جانب سے قرآن کریم کی صورت میں ''وحی متلو'' بھی نازل فرمائی گئی تھی اور احادیث کریمہ کی صورت میں ''وحی غیر متلو'' بھی۔ جسے آقا نے "مثله معه" سے تعبیر فرمایا۔

ان دونوں آیتوں اور مذکورہ بالا ابو داؤد کی حدیث پاک میں حکمت سے مراد احادیث کریمہ اور اقوال رسول کے وہی معانی و مفاہیم ہیں کہ جو نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفویض کئے جاتے اور کتاب اللہ کے علاوہ احادیث کریمہ کے یہ معانی و مفاہیم قرآن عظیم کی تشریح و تفسیر کے لئے اتارے جاتے۔ اسی وجہ سے کتاب کا ذکر الگ اور حکمت کا ذکر الگ کیا گیا۔ جہاں کتاب اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا وہیں حکمت نامی ان احادیث رسول کو بھی یاد کرنے کا حکم جاری فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کتاب اللہ پر عمل ضروری ہے اسی طرح احادیث کریمہ پر بھی عمل پیرا رہنا لازمی اور واجبی امر ہے۔

رسول بحیثیت شارحِ قرآن: ہمارے نبی ﷺ قرآن کریم کے جہاں ''معلم'' ہیں وہیں ''شارح اور مبین'' بھی ہیں۔ قرآن کریم کو بغیر نبی ﷺ کے سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے احادیث کریمہ کی مدد حاصل کرنا ایک لازمی اور واجبی امر ہے۔ اسی وجہ سے جس طرح قرآن کریم کے احکام پر عمل لازم ہے اسی طرح احادیث کریمہ کو ماننا، تسلیم کرنا، ان پر عمل کرنا اور انہیں اپنی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ''دستور کامل'' بنانا لازم و ضروری ہے۔ اگر چہ قرآن کریم میں ہر چیز کا ''روشن بیان'' ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

"تبیانا لکل شئ" یعنی قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

تو کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن میں نہ ہو لیکن ان تمام روشن بیانوں کو آقا کی مدد کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے کہ یہ ذمہ داری ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی گئی۔ اسی لیے قرآن کریم کے مجملات اور اس کے نصوص کے محمل و مراد کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمیں آقا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔ ہمارے آقا کی مفسر قرآن اور ترجمان قرآن والی اسی حیثیت و اہمیت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:

"وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیهم"

ترجمہ: اے نبی! ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لیے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔

اس لیے قرآن کریم کی اصل مراد اور آیات قرآنیہ کے معانی و مفاہیم تک رسائی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس سلسلہ میں اقوال رسول کی مدد حاصل نہ ہو اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی جائے۔ احادیث کریمہ اور اقوال رسول کی اسی دینی و مذہبی حیثیت کو بتانے کے لئے قرآن کریم میں بہت سی آیتیں نازل فرمائی گئیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ من یطع الرسول فقد اطاع الله۔ (النساء آیت ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(کنز الایمان)

۲۔ وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله۔

(النساء آیت ۶۴)

ترجمہ: ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(کنزالایمان)

۳۔فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما۔

(النساء آیت ۵۶)

ترجمہ: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

(کنزالایمان)

۴۔ وما كان لمومن و لا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم۔ ومن يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبينا۔

(الاحزاب آیت ۳۶)

ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ ورسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔

(کنزالایمان)

رسول بحیثیت شارع اسلام: ہمارے آقا ﷺ قرآن کریم کے صرف معلم وشارح اور محض مفسر وترجمان ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ''تشریعی'' اختیارات عطا فرما کر دین کا ''شارع'' بھی بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

”وما اتاكم الرسول فخذوه ج وما نهكم عنه فانتهوا ج“۔

(حشر: آیت ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(کنزالایمان)

”ويحل لهم الطيبٰت ويحرم عليهم الخبٰئث“

(اعراف: آیت ۱۵۷)

ترجمہ: اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

(کنزالایمان)

خود آقا ﷺ نے اپنے عمل کی پیروی کرنے کا یوں حکم دیا:

صلو كما رأيتمونى اصلى۔

(مسلم شریف)

ترجمہ: جیسے میں نماز پڑھوں ایسے ہی تم پڑھو۔

تفسیری روایات پر مشتمل احادیث کی اہمیت وافادیت: واضح ہوا کہ ہمارے آقا، قرآن کریم کے ایسے مبین، مفسر، ترجمان اور شارح ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ''تشریعی'' اختیارات کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کی تشریح، توضیح، تبیین، تفسیر، مجمل کی تفصیل،

مراد کی تعیین، مبہم کی تبیین، مقید کے اطلاق اور مطلق کی تقیید کے بغیر قرآنی احکام الٰہیہ کا فہم وادراک ناممکن اور شریعت اسلامیہ پر عمل محال ہے۔ کیونکہ اقوال رسول کے بغیر خدائی احکام اور ربانی اوامر و نواہی پر عمل کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے دینی احکام وہ ہیں کہ قرآن کریم میں مذکور نہیں مگر وہ دین کا حصہ ہیں۔ شریعت انہیں ''واجب الاعتقاد'' اور ''واجب العمل'' قرار دیتی ہے۔ کیونکہ وہ وحی متلو تو نہیں مگر وحی غیر متلو اور حکمت کا حصہ ہیں۔

ذرا غور فرمائیں کہ ''صلوٰۃ''، ''زکوٰۃ''، ''تیمّم''، ''حج'' اور ''عمرہ'' جیسے یہ الفاظ ''عربی زبان'' کے ہیں مگر ان کے ''لغوی معنیٰ'' کچھ اور ہیں اور شرعی کچھ اور۔ ان کے ان مخصوص شرعی معانی کی تعیین کس نے کی؟ ظاہر سی بات ہے کہ ان الفاظ کے یہ مخصوص معانی ہمیں رسول ہی کی جانب سے ملے۔ اگر ان جیسی چیزوں کی تشریح وتوضیح اور تفسیر و تفصیل پر مشتمل اقوال رسول نہ ہوتے تو ان کے یہ مخصوص معانی ہمیں کیسے میسر ہوتے؟ ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوٰۃ سے قیام، رکوع، سجدے کی یہ مخصوص ہیئت مراد ہے؟ اذان سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کی اس پوری ''ہیئت کذائیہ'' کی معرفت ہمیں قرآن سے نہیں بلکہ اقوال رسول سے ہوتی ہے۔ اسی طرح حج، زکوٰۃ وغیرہ کی مکمل تفصیلات اور یہ معروف طریقہ ہمیں قرآن نے نہیں بلکہ اقوال رسول نے سکھایا ہے۔ نیز خود قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں کہ جن کے معانی و مفاہیم، ان کے پس منظر اور ان کے شان نزول کے بغیر، سمجھنا ناممکن ہیں۔ تو ان آیات کے شان نزول اور ان کے پس منظر کی بھی معرفت ہمیں ان ہی تفسیری روایات پر مشتمل احادیث کریمہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر تفسیری روایات پر مشتمل یہ احادیث کریمہ نہ ہوتیں تو قرآن کریم انسانوں کے لئے ایک ''چیستاں'' بن کر رہ جاتا۔

اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب قرار دی گئیں۔ اقوال رسول اور احادیث کریمہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسے دین کا لازمی جزء بنا دیا گیا۔ جس طرح قرآن کریم دین و مذہب کی اساس، شریعت اسلامیہ کا مصدر، منبع و سرچشمہ، دلیل شرعی، واجب العمل اور واجب الاعتقاد ہے اسی طرح اقوال رسول اور احادیث کریمہ بھی مذہب اسلام کی اساس و بنیاد، شریعت اسلامیہ کا مصدر، دلیل شرعی، منبع و سرچشمہ، واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں۔ اسی لیے قرآن کی تفسیر کے لیے بنیادی شرط یہ لگائی گئی کہ اس کا بنیادی ماخذ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اقوال ہوں گے جو قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کی تعیین کے لیے آقا کریم ﷺ نے بیان فرمائے اور جو صحابہ کرام کے واسطے سے ہم تک پہنچے۔

تفسیر کی لغوی و اصطلاحی حیثیت: چونکہ کلمہ ''تفسیر'' باب تفعیل کا مصدر ہے کہ جس کا مادہ ''فسر'' ہے اور جس کے اردو معنیٰ ''واضح کرنا''، ''کھول کر بیان کرنا''، ''مراد بتانا''، ''کشف و وضاحت'' کے ہیں۔ ہمیں نظم قرآنی کے معانی کی وضاحت، اسباب نزول کی معرفت، نسخ اور ربط آیات وغیرہ کی آگہی کا علم کھلے طور پر اسی فن تفسیر ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس لغوی مناسبت کی وجہ سے اس فن کو ''فن تفسیر'' سے تعبیر کیا گیا۔

مفسرین کرام کے حوالہ سے ہمیں علم تفسیر کی متعدد اور مختلف عبارات میں اصطلاحی تعریفات ملتی ہیں لیکن ان سب کا ایک

مجموعی مفہوم متعین کر کے اس کی ایک جامع اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ''فن تفسیر ایسا علم ہے کہ جس میں بقدر طاقت انسانی قرآن کریم کے ان احوال سے بحث کی جائے کہ جن سے مراد الٰہی حاصل ہو سکے''۔ چونکہ اس فن میں قرآن کریم کے معانی و مفاہیم اور اس کے مطالب و مقاصد بیان کئے جاتے ہیں اس لیے اس فن کا موضوع ''قرآنی آیات اس حیثیت سے کہ ان کے معانی و مطالب اور مفاہیم و مقاصد بیان کئے جائیں''، اس کو قرار دیا گیا۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ یہ مقصد اور یہ مطلوب نہایت ہی بابرکت اور باعث فلاح دنیا و آخرت ہے اس لیے اس کی غرض و غایت ''دارین کی سعادت و برکت حاصل کرنے'' کو قرار دیا گیا۔

فن تفسیر کی ارتقائی منزلیں: ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی کہ قرآن کریم کے معانی و مفاہیم تک رسائی ان کے اقوال اور ان کے ذریعہ کی گئی تفسیر و توضیح کے بنا ناممکن ہے اس لیے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ظاہری حیات تک صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو قرآن کریم کے معانی و مفاہیم اور اس کی اصل مراد کی تعلیم عطا فرماتے رہے۔ صحابہ کرام بھی اپنے آقا کی حیات ظاہری تک آیات قرآنیہ سے متعلق ہر مشکل کے حل کے لیے براہ راست آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب رجوع فرماتے اور ہمارے آقا ان آیات اور ان مشکل مقامات کی توضیح و تشریح اور تفسیر و تبیین فرما کر انہیں تشفی بخش جواب عطا فرما دیتے۔ اس طرح صحابہ کرام میں اس وقت قرآن فہمی کا ایک بے مثال جذبہ پایا جاتا۔ یہ صحابہ کرام آیات قرآنیہ سیکھتے، ان کے معانی و مطالب اپنے آقا سے دریافت کرتے اور آپس میں بھی ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرتے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی دس آیتیں سیکھ لیتا تو ان سے آگے اس وقت تک نہیں بڑھتا تھا جب تک کہ ان کے معانی و مطالب نہ جان لیتا اور ان پر عمل پیرا نہ ہو جاتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ قسم بخدا جو آیت نازل ہوئی تو میں نے اس کے بارے میں یہ ضرور جانا کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں صحابہ کرام نے علم قرآن اور فن تفسیر قرآن کی ترویج و اشاعت اور اس کی تحصیل میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ فرمایا۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بابرکت کام کے لیے صحابہ کرام کی ایک مقدس جماعت کو خاص طور پر تیار فرمایا۔ اس سلسلہ میں ترجمان القرآن، رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم تفسیر قرآن اور اس کے معانی و مفاہیم اور مقاصد و مطالب کی ترویج و اشاعت میں کلیدی کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن فہمی اور تفسیر قرآن کی ترویج و اشاعت کے لیے حضرت عبداللہ ابن عباس نے مکۃ المکرّمہ، حضرت ابی بن کعب نے مدینہ منورہ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے کوفہ میں مدرسے قائم فرمائے۔ ان مدارس فن تفسیر سے حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت طاؤس بن کیسان، حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت ابو العالیہ، حضرت محمد بن کعب القرظی، حضرت زید بن اسلم، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت مسروق، حضرت اسود بن یزید، حضرت مرہ ہمدانی اور حضرت حسن

بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل مفسرین قرآن کی ایک مقدس اور باعظمت جماعت تیار ہوکر افق عالم پر درخشندہ وتابندہ ہوئی جنہوں نے اپنی تفسیری روایات کی درخشندگی وتابندگی سے آنے والے زمانہ میں شائقین فن تفسیر کے قلوب واذہان کو روشن ومنور کرنے کا زریں کارنامہ انجام دیا۔اس زمانہ کوفن تفسیر کے عروج وارتقا کا دوراول قرار دیا گیا جس کی خاصیت یہ تھی کہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر بیان کرنے کا التزام نہ ہوتا بلکہ جس کسی کو بھی قرآن کی جس کسی آیت کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی یہ حضرات اس کی وضاحت کر دیتے،صحابۂ کرام اجمالی طور پر معانی ومفاہیم کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے،تفصیلات بیان کرنے سے گریز کرتے اورآیات قرآنیہ کی تشریح وتوضیح پر مشتمل جوتفسیری روایات ہوتیں ان کو پیش کرکے سائلین کی تشفی خاطر فرما دیتے۔اس مبارک عہد کوفن تفسیر کا دوراول کہا گیا۔تفسیر ابن کعب اور تفسیر ابن عباس اسی دوراول کی اہم یادگارتفسیریں ہیں۔

زمانہ کی رفتار اپنی منزلِ مقصود تک یوں ہی رواں دواں رہی کہ فن تفسیر کا دوسرا ارتقائی دور آجاتا ہے۔یہ دور تابعین کا ہے۔اس دور میں اہل مکہ تفسیر قرآن کے میدان میں ممتاز ونمایاں کردارادا کرتے نظر آتے ہیں کیوں کہ یہ سب حضرت عبداللہ ابن عباس کے شاگرد تھے۔جن میں حضرت مجاہد،حضرت عطا بن ابی رباح،حضرت عکرمہ اورحضرت سعید بن جبیر کونمایاں حیثیت حاصل تھی۔اسی دور میں دوسری طرف سرزمین کوفہ پرحضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ''مدرسۃ الکوفہ'' نہایت شہرت کا حامل ہوا۔یہاں آپ کے شاگردوں میں حضرت علقمہ اور حضرت حسن بصری کو انفرادی حیثیت حاصل ہوئی۔اسی زمانہ میں حضرت ابی بن کعب کے قائم کردہ ''مدرسۃ المدینہ'' میں آپ کے شاگرد حضرت زید بن اسلم اور حضرت مجاہد کو بھی خوب شہرت حاصل ہوئی۔تفسیر کے دوراول کے مقابلہ اس دوردوم میں ایک تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ اس زمانہ میں مذہبی اختلافات کی بنیاد پڑنا شروع ہوگئی۔اس لیے ہر شہر کے رہنے والے اپنے شہر کے سب سے بڑے عالم قرآن کے اقوال سے استفادہ کرتے چنانچہ اہل مکہ حضرت عبد اللہ ابن عباس سے،اہل مدینہ حضرت ابی بن کعب سے اوراہل عراق حضرت عبداللہ ابن مسعود سے تفسیر کی روایت کرتے۔یہی وہ دور بھی ہے کہ جب قرآنی تفسیر میں اسرائیلی روایات کی ملاوٹ کا سلسلہ شروع ہوا۔

عہد تابعین کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آتا ہے جسے تفسیر کا تیسرا دور قرار دیا گیا۔اس دور کے اندر مفسرین قرآن کی جماعت صحابہ کرام اورتابعین عظام کے تفسیری اقوال اپنی تفسیروں میں بیان کرتی۔اس دور ثالث کے اہم مفسرین میں ہم حضرت سفیان بن عیینہ،حضرت وکیع بن الجراح،حضرت یزید بن ہارون کوپیش کرسکتے ہیں۔یہ دوردوسری صدی ہجری کا تھا جس میں مفسرین کرام کا مطمح نظر صرف عمل تھا۔یہ حضرات عمل ہی کے ذریعہ قرآن کے معانی ومفاہیم سمجھتے اورسمجھاتے تھے۔

دوسری صدی ہجری کے اختتام کے بعد تیسری صدی ہجری آتی ہے اورفن تفسیر کومزید ارتقائی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔اس دور کوفن تفسیر کا چوتھا دور کہا جاتا ہے۔اس چوتھے دور کے آتے آتے قرآن کریم کی تفسیر کو بیان کرنے کا انداز واضح طور پراپنے اندر تبدیلی لے کرآتا ہے۔اس دور میں ایک آیت کی تفسیر وتوضیح کے لیے زیادہ سے زیادہ روایات جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔اس دور کے

مفسرین کا مقصود عمل سے زیادہ تفسیر قرآن پر مشتمل اقوال صحابہ اور اقوال تابعین کو جمع کر دینا تھا۔ یہی وہ دور تھا جب اسلامی علوم وفنون کی تدوین اور ان فنون کی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور جمع وتدوین کا رواج شروع ہوا۔ اسی دور میں ’’صحاح ستہ‘‘ کی تالیف ہوئی اور اسی عہد میں قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھے جانے کا رجحان پیدا ہوا۔ تفسیر بالماثور کی حد میں رہتے ہوئے قرآن کریم، احادیث کریمہ اور اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں تفسیریں لکھی گئیں۔ اس چوتھے دور کی تفسیروں میں ’’تفسیر ابن جریر طبری‘‘ کو خصوصی حیثیت حاصل ہوئی۔

لیکن جب چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کا زمانہ آیا اور فن تفسیر کا پانچواں دور شروع ہوا تب اس فن کو مزید عروج وارتقا حاصل ہوا۔ کیوں کہ اس دور میں سب سے زیادہ تفسیر کی کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور کے اہم مفسرین میں ابو عبد الرحمٰن نیشا پوری اور ابو اسحٰق احمد ثعلبی کو ممتاز ونمایاں اور خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔

اسلامی علوم وفنون کی تدوین کا زمانہ ترقی کرتا رہا اور علمی نیرنگیاں اپنے جلوے بکھیرتی رہیں یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری کا زمانہ آ گیا۔ یہاں سے فن تفسیر کا چھٹا دور شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی فن تفسیر نے خوب ترقی کی یہاں تک کہ جو علمی شخصیت جس فن میں مہارت رکھتی وہ اسی فن کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر مرتب کرتی چنانچہ نحوی حضرات نحوی قواعد وضوابط، علمائے علم بیان معانی و بیان کی جلوہ باریوں، علمائے علم کلام وعقائد کی باریکیوں، فلسفی حضرات فلسفیانہ موشگافیوں، صرفی حضرات فن صرف کی جدت طرازیوں اور فقہائے کرام فقیہانہ انداز کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیریں لکھتے۔ فن تفسیر کے میدان میں یہ ایک اہم اور دلچسپ تبدیلی تھی جنہیں اس دور میں لکھی گئی فن تفسیر کی کتابوں میں بخوبی دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی اور ابو القاسم زمخشری کی تفسیریں اسی نہج کی ہیں۔ اس طرح فن تفسیر اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا رہا یہاں تک کہ اموی خلافت کا آخری دور آتے آتے فن تفسیر کے میدان میں بہت زیادہ تبدیلیاں رونما ہوگئیں۔ اب صرف تفسیر بالماثور پر انحصار باقی نہ رہا بلکہ ماثور اور غیر ماثور کا باہمی امتزاج ہوتا چلا گیا۔ اسی طرح فن تفسیر میں ہر قسم کے فن کا بھی اختلاط غالب طور پر نظر آنے لگا۔ زجاج، واحدی اور ابو حیان کی تفسیروں میں یہ رنگ واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔

تفسیر بیضاوی: فن تفسیر کا یہ ارتقائی سفر ابھی جاری وساری ہی تھا کہ ساتویں صدی کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب تفسیر کے میدان میں اہل علم اپنے علوم وفنون کے جھنڈے بکثرت گاڑ رہے تھے۔ تب ہی ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں شیراز کے ’’بیضا‘‘ نام سے موسوم ایک مضافاتی خطہ میں حضرت علامہ امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ کی ولادت ہوتی ہے۔ آپ کا پورا نام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علی ہے مگر آپ ’’قاضی بیضاوی‘‘ کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ امام قاضی بیضاوی مسلکاً شافعی تھے۔ متعدد علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ’’انوار التنزیل و اسرار التاویل‘‘ کے نام سے موسوم قرآن مجید کی اس تفسیر کی تصنیف ہے کہ جسے عرف عام میں ’’تفسیر بیضاوی‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ کا تعلق اس عہد اور اس خطہ کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد ماجد عمر بن

محمد، ابوبکر بن سعد کے عہد میں قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ اپنے وطن ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علامہ بیضاوی ''تبریز'' چلے گئے۔ آپ کی ایک علمی گفتگو سے متاثر ہو کر تبریز کے وزیر مملکت نے آپ کے سامنے ''عہدۂ قضا'' قبول کرنے کی تجویز پیش کی جسے آپ نے قبول فرمالیا۔

یوں تو امام قاضی بیضاوی نے متعدد فنون میں تقریباً دو درجن کتابیں تصنیف فرمائی ہیں لیکن ان تمام تصانیف جلیلہ میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت ''تفسیر بیضاوی'' کو حاصل ہوئی۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے سات سو سال سے یہ کتاب مدارس اسلامیہ کے نصاب میں انتہائی اہمیت کے ساتھ داخل درس ہے۔ تفسیر بیضاوی میں اس دور میں فن تفسیر کے اندر رونما ہونے والی مذکورہ بالا تبدیلیوں کی اثر انگیزی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے چنانچہ امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ نے اپنی اس تفسیر میں متعدد علوم و فنون پر مشتمل انفرادی حیثیت کی حامل بحثوں کو جگہ دی ہے۔ آپ نے اعراب و معانی اور علم بیان کی بحثیں ''تفسیر کشاف''، حکمت و کلام کی بحثیں امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' اور اشتقاق و لغت کی دلچسپ بحثیں ''مفردات امام راغب اصفہانی'' سے اخذ کی ہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ اپنی طرف سے ان تمام اخذ شدہ بحثوں پر آپ نے جو عمدہ و دلچسپ نکات کا اضافہ کیا ہے انھوں نے اس کتاب کو فن تفسیر کے میدان میں شہرت و مقبولیت کی عظیم بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ کا وصال ۱۲۸۶ء کو ''تبریز'' میں ہوا اور یہیں آپ اپنے شیخ ''محمد بن محمد کتحتائی'' کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

وافی شرح بیضاوی شریف: چونکہ بیضاوی شریف ایک ایسی تفسیر ہے کہ جس میں متعدد علوم و فنون کے جلوے جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ اس کتاب کے مباحث کو کما حقہ اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ ان علوم و فنون سے پوری طرح آشنائی نہ ہو۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ علامہ بیضاوی کی زیادہ تر علمی و فنی بحثیں اور عبارتیں عموماً کسی نہ کسی سوال مقدر یا اعتراض مقدر کا جواب ہوتی ہیں۔ اب ظاہر سی بات ہے کہ جب تک وہ سوال اور وہ اعتراض قاری و طلبہ کے پیش نظر نہ ہو تب تک ان کی اس بحث اور اس عبارت کا سمجھنا نہایت ہی مشکل ترین امر ہے۔ پھر سہل پسندی اور علوم و فنون میں گہرائی و گیرائی حاصل کرنے سے بے رغبتی بھرے اس دور میں تو بیضاوی کی یہ عبارتیں اور یہ عمدہ بحثیں مزید مغلق و مشکل ہو کر عصر حاضر کے طلبہ کے لیے ''چیستاں'' کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

طلبۂ مدارس اسلامیہ اور نو فارغ مدرسین کی اسی مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے یادگار اعلیٰ حضرت، جامعہ رضویہ منظر اسلام، مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف کے ایک مؤقر استاذ، عالم باعمل حضرت علامہ مفتی محمد معین الدین خاں صاحب برکاتی شاہجہاں پوری مدظلہ العالی نے علامہ بیضاوی کی اس مایۂ ناز تصنیف ''تفسیر بیضاوی'' کی ''وافی شرح تفسیر بیضاوی شریف'' کے نام سے ایک سہل، آسان اور دل نشیں اردو شرح لکھنے کا ارادہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پہلا حصہ مکمل بھی کر لیا۔ وافی شرح تفسیر بیضاوی شریف کا یہ پہلا حصہ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ

کے ۱۰۶ اویں عرس قادری رضوی کے موقع پر منظر عام پر آ رہا ہے۔ مرتب موصوف ایک باصلاحیت اور ماہر فن استاذ ہیں، مزاج میں سادگی ہے، علم کے ساتھ عمل صالح کی دولت سے مشرف ہیں، جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے فارغ التحصیل ہیں، تقریباً دو سال تک اشرفیہ کے شعبۂ ٹریننگ میں رہ کر تدریسی فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اہل سنت کے کئی اداروں میں درس و تدریس کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دی ہیں۔ ایک دہائی سے زائد عرصہ ہوا کہ حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی کی نظر انتخاب اور نگاہ عنایت سے یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں تدریسی فرائض نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ جب سے یہاں آئے ہیں تب ہی سے درجۂ فضیلت کے طلبہ کو تفسیر بیضاوی کا درس دیتے ہیں۔ اس لیے انہیں بخوبی اس بات کا اندازہ و تجربہ تھا کہ طلبہ کے لیے کون کون سی بحثوں کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور انہیں بیضاوی شریف کی تفہیم میں کن کن مشکلات و دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اپنے اسی تجربہ کی بنیاد پر موصوف نے اس کتاب کی شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ اساتذۂ منظر اسلام، طلبۂ منظر اسلام، خاص کر منظر اسلام کے ناظم اعلیٰ اور مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی نے ان کے اس کام کو نگاہ تحسین سے دیکھا، مبارکباد دی، خوب سراہا اور خوب خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ رب العزت اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے اور مرتب موصوف کے حوصلوں میں مزید جلا پیدا فرمائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

”سدھارے سوئے رب ارشاد ساحلؔ“

از۔ مولانا سلمان رضا فریدی، مسقط عمان

ممتاز ادیب و محقق، مصنف کتب کثیرہ، یادگارِ اسلاف، نازش اہلِ قلم، گوہر فقہ و افتا، حضرت علامہ مفتی ارشاد رضوی ساحل شہسرامی کے وصال پر تعزیتی نظم۔

مہِ چرخِ ادب، ارشاد ساحل
سِدھارے سوئے رب ارشاد ساحل
رواں چشمِ الَم سے اشکِ فرقت
فُغانِ قلب و لب، ارشاد ساحل
تھے اک مصباحِ فیضانِ عزیزی
یہی کہتے ہیں سب، ارشاد ساحل
ہلال آسماں، تحریر ان کی
ضیائے چشمِ شب ارشاد ساحل
محقق اور مفکر کی ضرورت
ادیبوں کی طلب ارشاد ساحل
بنے کتنوں کی خاطر راہِ فن میں
بلندی کا سبب، ارشاد ساحل
کتابوں اور مقالوں کے جہاں میں
رہیں گے زندہ اب ارشاد ساحل
رضا کے فیض سے اعدائے دیں پر
تھے اک برقِ غضب ارشاد ساحل
لحد میں پائیں وہ فضلِ خدا سے
گلِ عیش و طرب ارشاد ساحل
جہانِ فقہ و افتا میں فریدیؔ
فقیہِ منتخب ارشاد ساحل

خواجہ پیر محمد عبد الغفور مجددی۔حیات وخدمات

از۔صاحبزادہ محمد سمیع الرحمٰن ارشدی، پنجاب پاکستان

حضرت خواجہ پیر محمد عبد الغفور ثانی لاثانی مُحدّث مُرشد آبادی قدس سرہٗ العزیز 1325ھ بمطابق 1905ء میں ایک عظیم عاشق رسول ﷺ، ولی کامل حضرت خواجہ مولانا غلام احمد چشتی سُلیمانی نظامی میروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں ضلع ''میانوالی'' (موجودہ ضلع بھکر) کے علاقہ نشیب بمقام'' ممدانی'' نزد بھکر (پنجاب پاکستان) میں پیدا ہُوئے۔تعلیمی زندگی کا آغاز قرآن پاک کی تعلیم سے ہُوا۔نظم کی کتابیں اپنے حقیقی ماموں جی و مُرشدِ خلافت، خلیفہ اعلیٰ حضرت، پیر سواگ غوثِ زمان قُطبِ دوراں سیفُ الرحمٰن حضرت خواجہ حاجی گُل حسن مُجددی نقشبندی مُرشد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بانی درگاہ مُقدس مُرشد آباد شریف المعروف جنجوں شریف) سے پڑھیں۔ صَرف سے کافیہ قدوری تک حضرت مولانا رحیم بخش مظفر گڑھی علیہ الرحمہ کے پاس تعلیم پائی۔شرح جامی، مُختصر المعانی، کنزُ الدقائق، شرع وقایہ، ایساغوجی، قال اقول، میر ایساغوجی، شرح تہذیب خلیفہ اعلیٰ حضرت پیر سواگ حضرت مولانا مُرید احمد قریشی میبلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دربار عالیہ کلول شریف نزد میبل شریف سے پڑھیں۔(جو کہ قطبُ المشائخ حضرت خواجہ الحاج میاں ابو الخیر محمد صدیق ثانی لاثانی مُجددی نقشبندی سرکار بھوروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، خانقاہ فتحیہ بھور شریف (عیسٰی خیل میانوالی) اور شیخُ المشائخ، مُجاہد تحریک ختم نبوت، حضرت خواجہ محمد عبد اللطیف پیر زکوڑی مُجددی نقشبندی علیہ الرحمہ، سجادہ نشین زکوڑی شریف صوبہ سرحد کے بھی اُستاذ مکرم تھے) بیضاوی شریف، جلالین شریف، بخاری شریف، ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف، مُختصر المعانی، مطول امور عامہ، اصولی الشاشی، نور الانوار، حسامی، مسلم الثبوت، ھدایہ اوّلین، ھدایہ آخرین، دیوان متنبّی، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، تصریح، شرح چغمینی، میبذی، صدرا، قطبی بمع میر قطبی، ملاحسن، میر زاہد، ملا جلال اور رسالہ قطبیہ حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب علیہ الرحمہ کے پاس پڑھتے رہے جو کہ حضرت خواجہ سیّد عبد الکریم شاہ بپیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے، وہاں طالب علمی کے دوران ''ملاحسن'' تک آپ اسباق بھی پڑھاتے رہے۔ پھر شمس بازغہ، شرح عقائد، خیالی اور توضیح وتلویح مولوی عبد الخالق بانی دار العلوم کبیر والا کے پاس پڑھی ہیں جو کہ مولوی محمد عبد اللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف ضلع میانوالی پنجاب پاکستان کا مُرید وخلیفہ کہلاتا تھا، مولوی محمد عبد اللہ صاحب بانی خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف، خواجہ ابُو السّعد احمد خان سراجی مُجددی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے (حضرت خواجہ ابُو السّعد احمد خان سراجی عثمانی مُجددی نقشبندی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ، صحیحُ العقیدہ سُنّی حنفی بزرگ عالم دین ولی کامل اور حضور پُر نور سیّدنا اعلیٰ حضرت عظیمُ البرکت مُجدد اعظم دین وملّت امام اَہلسنّت الشاہ امام احمد رضا خان سُنّی حنفی قادری مُحدّث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم نظریہ،

ہم عقیدہ اور ہم مسلک تھے۔ نیز یہ حضرت خواجہ حاجی محمد عثمان دامانی پیر پٹھان کے محبوب مُرید اوران کے فرزند گرامی حضور سراجُ الاولیآء حضرت خواجہ محمد سراجُ الدین دامانی پیر پٹھان علیہ الرحمہ تاجدار مُوسٰی زئی شریف (سرحد پاکستان) کےارشد واجلّہ خلفآء کبار میں سے تھے۔

الحمدللہ ثُمّ الحمدللہ بانی خانقاہ سراجیہ کُندیاں شریف خواجہ مولانا ابو السّعد احمد خان سراجی عثمانی مُجد دی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ، ارشد ملّت حضرت خواجہ محمد ارشد سُبحانی اُویسی رضوی قادری، اس وقت مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کی خدمات بخوبی سرانجام دے رہے ہیں اور جملہ مذاہب باطلہ کی تردیدِ شدید ورڈ بلیغ کے کام میں مصروف کار ہیں۔

دورہ حدیث شریف: حضرت علامہ خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشد آبادی علوم دینیہ کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے وہاں ''مدرسہ امینیہ'' دہلی میں مفتی کفایت اللہ دہلوی سے دورۂ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔

بیعت و خلافت: حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشد آبادی کوحضرت خواجہ شاہ غلام حسن پیر سواگ لجپال قدس سرہٗ العزیز کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مُجددیہ میں شرفِ بیعت حاصل ہُوا جو کہ پیرانِ کبار درگاہِ مُعلّٰی مُوسٰی زئی شریف حضرت خواجہ حاجی محمد عثمان دامانی پیر پٹھان نقشبندی مُجد دی اوران کے فرزندار جمند سراجُ الاولیآء حضرت خواجہ حاجی محمد سراجُ الدین دامانی نقشبندی مُجد دی پیر پٹھان کےاعظم واجلّہ خلفائے کرام میں سے تھے۔

حضرت سیّدنا خواجہ حاجی گل حسن مُجد دی نقشبندی مُرشد آبادی جب بیمار ہُوئے تو حج کو جانے والے دوصاحبان جناب حاجی اللہ یار واگھرہ، ساکن شاہوالہ ضلع خوشاب اور جناب حاجی احمد جوئیہ ساکن چندرام ضلع بھکر سے فرمایا کہ جب آپ مدینہ منورہ شریف جائیں تو میری طرف سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے دربار پُر انوار میں بعد سلام کے عرض کریں کہ میں اپنا جانشین کس کو بناؤں؟ دونوں صاحبان جب حج شریف سے واپس آئے تو عرض کیا حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے (حضرت خواجہ) مولوی عبدالغفور صاحب کے بارے میں اشارہ فرمایا ہے۔اس کے بعد جناب میاں لال دین کہاوڑ صاحب مرحوم جو اس وقت مدینہ منورہ شریف میں اقامت گزیں تھے، انہوں نے بذریعہ حجاج کرام پیغام بھیجا کہ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے کہ مولوی گل حسن کو کہہ دو کہ اپنا جانشین (مولوی محمد) عبدالغفور (صاحب) کو معین کرلیں۔ پھر اس کے بعد نائب مُجدد الف ثانی حضرت خواجہ شاہ غلام حسن پیر سواگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے محبوب ولاڈلے خلیفہ حضرت خواجہ گل حسن مُرشد آبادی سے فرمایا کہ تجھے لازمی ہے کہ قائم مقامی کے لیے مولوی عبدالغفور صاحب کو منتخب کرے۔ کیونکہ دربار رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے اسی طرح مجھے بھی اشارہ ہُوا ہے۔ ایک دفعہ خلیفہ اعلیٰ حضرت پیر سواگ حضرت خواجہ حاجی گل حسن مُرشد آبادی کو حالتِ استغراق میں حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے شرفِ زیارت بخشتے ہُوئے فرمایا کہ مولوی عبدالغفور کو اپنا جانشین مُقرر کرلیں۔

چنانچہ حضرت خواجہ گل حسن مُرشد آبادی علیہ الرحمہ نے ان مُبشراتِ عالیہ کی بناپر وصال باکمال سے ستائیس دن قبل ماہِ

جمادی الاولیٰ 1356ھ بمطابق 14 جولائی 1937ء میں علمائے کرام، عزیز و اقارب اور مُخلص مُریدوں کے روبرو اپنے حقیقی بھانجے وشاگرد رشید شیخُ الحدیث والتفسیر حضرت خواجہ پیر محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشدآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام (بالخصوص ہشت) سلاسل طریقت، نقشبندیہ مُجددیہ، قادریہ، چشتیہ، سُہروردیہ، کبرویہ، بدیعیہ، قلندریہ، شطاریہ کی اجازت وخلافت عطا فرما کر اپنا سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ حضرت خواجہ گل حسن مُرشدآبادی کی خلافت و نیابت کے ساتھ حضرت خواجہ عبدالغفور صاحب کو اپنے پیر ومُرشد نائب سیّدنا مُجدد الف ثانی حضرت خواجہ شاہ غلام حسن پیر سواگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی روحانی اجازت وخلافت حاصل تھی۔

تدریسی خدمات: حضرت خواجہ محمد عبدالغفور صاحب صرف ایک روایتی ورسمی پیر نہیں تھے بلکہ ایک ولی کامل اور اپنے وقت کے عظیم مُفسر، مُحدث، مُفتی، فقیہ اور دیگر علوم وفنون کے ممتاز ترین مُدرس، عالم باعمل اور مُبلغ اسلام تھے۔ زمانہ طالب علمی میں بھی ملاحسن، میبذی وغیرہ کُتب کی تدریس فرماتے رہے۔ حصولِ علم کے بعد زمانہ سجادہ نشینی میں ابتداء درگاہ مُقدس خانقاہ حسینیہ غفوریہ مُرشدآباد شریف میں ایک عظیمُ الشّان دارُالعلوم کا قیام فرما کر قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، منطق، معقول ودیگر جمیع دینی علوم مروجہ کا بھرپور انداز میں سلسلہ شروع فرمایا۔ اس وقت آپ اپنے دارُالعلوم میں فنون مروجہ کی تدریس کے ساتھ مَسند شیخُ الحدیث کی زینت بھی رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بڑے فرزند حضرت خواجہ پیر ابُو الحلیم محمد عبدالحمید ارشد مُجددی نقشبندی اور اَہلسنّت کے عظیم مُحقق، فاضل مُدرس حضرت علامہ مفتی فیض محمد گجوی قادری مُرشدآبادی علیہ الرحمہ، مُفتی اَہلسنّت حضرت علامہ مفتی محمد انور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (کلول شریف والے) حضرت علامہ غلام احمد الحسنی علیہ الرحمہ اور استاذُ العلماء حضرت علامہ اللہ بخش تونسوی الحسنی قبلہ علیہ الرحمہ تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ طلبائے کرام کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو کہ علاقہ تھل اور دُور و دراز سے آکر علم دین حاصل کرتی۔ انہیں طلبہ میں سے بہت سے طلبہ اب عالم دین بن کر اس وقت ملک کے مختلف شہروں اور علاقوں میں اَہلسنّت کے مدارس ومساجد میں علمی فیضان تقسیم فرمارہے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد عبدالغفور صاحب کے وصال کے بعد آپ کے بڑے لخت جگر و جانشین حضرت خواجہ پیر ابو الحلیم محمد عبدالحمید ارشد مُجددی نقشبندی اس دارُالعلوم کی خُوب سرپرستی ونگرانی فرماتے رہے نیز آپ کے چھوٹے لاڈلے شہزادے حضرت خواجہ محمد عبدالمعید مُجددی نقشبندی الحسنی (تاجدار مُرشدآباد شریف) نے ایک الگ عظیمُ الشّان دارُالعلوم جامعہ حسنیہ غفُوریہ سُبحانیہ کا افتتاح فرمایا۔ آپ کے حکم پر اس دارُالعلوم جامعہ حسنیہ غفُوریہ سُبحانیہ انوارُ القرآن میں سب سے پہلے داخلہ لینے والے آپ کے منظورِ نظر اور محبوب مُریدِ ''محمد ارشد'' نامی طالب علم تھے جنہوں نے درسِ نظامی کی ابتدائی فارسی، عربی کُتب آپ کے ہی زیر سایہ ونگرانی پڑھیں اور ساتھ ساتھ طریقہ عالیہ نقشبندیہ مُجددیہ سراجیہ حسنیہ غفُوریہ سُبحانیہ کے اسباق وتربیّت بھی حاصل کرتے رہے۔ حضرت خواجہ الحاج ابو الانوار محمّد عبدالمعید مُجددی نقشبندی الحسنی چراغِ مُرشدآبادی المعروف حضور سیّدی پیر سُبحانی قدس سرہُ العزیز نے اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح ان کی

ایسی روحانی تربیت فرمائی کہ جامعہ حسنیہ غفوریہ سُبحانیہ انوارُ القرآن مُرشدآباد شریف میں سب سے پہلے داخل ہونے والے اس کمسن طالب علم کو حضور ارشد ملّت حضرت خواجہ پیر ابو البرکات محمد ارشد سُبحانی المعروف پیر محبوب سُبحانی مدظلہ النّورانی کے نام سے یاد کیا جارہا ہے اور وہ (بعد تحصیلِ علم) اپنے مشائخ کبار والا شان کی طرف سے عطا فرمائی گئی روحانی امانتوں (طریقت) کا بارِ عظیم اُٹھائے مذہبِ اَہلسنّت مسلک اعلیٰ حضرت کا علَم بلند کرتے ہُوئے تدریس وتحریر اور تقاریر سے باطل کی سرکوبی کرتے نظر آرہے ہیں۔

تردید مذاہبِ باطلہ: حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشد آبادی قدس سرہٗ العزیز تمام مذاہبِ باطلہ بالخصوص دیوبندی، وہابی، خارجی، رافضی، اہل تشیع، مرزائی، قادیانی، مودودی، پرویزی، چکڑالوی، مماتی، غیر مقلد اہلحدیث وغیرہم کی ہمیشہ تردید شدید فرماتے رہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی بدمذہب وبدعقیدہ افراد کوئی فتنہ و شر کھڑا کرتے تو آپ اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہُوئے مذہبِ اَہلسنّت مسلک اعلیٰ حضرت کے دفاع کے لئے فوراً وہاں تشریف لے جاتے اور بدمذہب و بدعقیدہ اور گستاخوں کی علمی اور روحانی دلائل سے ایسی سرکوبی کرتے کہ پھر کسی بدمذہب وبدعقیدہ یزید مزاج وفرعون خصلت مولوی یا دُنیا دار وڈیرے کو سَر اُٹھانے کی ہمت اور جرأت ہی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشد آبادی بدعقیدہ دیوبندیوں، وہابیوں، یزیدی خارجی مولویوں کو خراسانی گدھے کہہ کر للکارتے اور ایسے براہینِ قاطعہ سے علمی گرفت فرماتے تھے کہ بدمذہب خارجی مولویوں کو سوائے فرار کے نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی اور آپ کے آگے میدان چھوڑ کر ایسے بھاگتے جیسے ببر شیر کے آگے جنگلی لومڑی بھاگتی ہے۔ آپ ہمیشہ تمام مذاہبِ باطلہ و ضالّہ کے آگے برسرِ پیکار رہے۔ نیز اپنے جُملہ مُریدین ومُعتقدین ومُحبّین اور مُتوسلین کو بھی بڑی سختی سے تمام فرقہائے باطلہ بالخصوص گستاخ خارجیوں، نجدیوں، دیوبندیوں، وہابیوں، مرزائیوں، شیعوں اور رافضیوں وغیرہ سے میل جول، خوشی غمی، شادی بیاہ، تعلق ودوستی اور ان کی صحبت بد سے بچنے کی تاکید مُوکد فرماتے اور مذہب اَہلسنّت مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم رہنے کی خصوصی تلقین و تاکید فرماتے تھے۔

اَولاد: حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشد آبادی کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادے اور ایک صاحب زادی عطا فرمائی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ایک ولیہ کاملہ تھیں اور حضرت خواجہ گل حسن مُرشد آبادی علیہ الرحمہ کی حقیقی بھتیجی تھیں۔ آپ کے صاحبزادگان والا شان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(1) شیخُ المشائخ حضرت خواجہ ابو الحلیم محمد عبدالحمید ارشد مُجددی نقشبندی فاضل مُرشد آبادی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ۔

(2) مخدومُ المشائخ حضرت خواجہ الحاج ابو الانوار محمد عبدالمعید پیر سُبحانی مُجددی نقشبندی الحسنی چراغِ مُرشد آبادی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ۔

(3) صاحبزادہ ڈاکٹر محمد عبدالرشید اطہر الحسنی اطال اللہ عمرہٗ۔

(4) حضرت خواجہ پیر محمد عبدالوحید اثمر الحسنی مدظلہ العالی۔

وفات حسرت آیات: حضرت خواجہ پیر محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشد آبادی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ نے تقریباً 70 سال کی عمر شریف میں

10 صفر المظفر 1395ھ بمطابق 22 فروری 1975ء میں وصال فرمایا۔ آپ کی نمازِ جنازہ کے متعلق کہیں کوئی تحریر نہیں ملی۔ مگر حضور مُحدّث مُرشدآبادی کے بڑے لختِ جگر فخرُ المشائخ حضرت خواجہ محمد عبدالحمید ارشد مُجددی نقشبندی فاضل مُرشدآبادی نے ایک بار خواجہ پیر ابُو البرکات محمد ارشد سُبحانی مدظلہ العالی کے پوچھنے پر فرمایا کہ حضرت والد صاحب (یعنی حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشدآبادی) کی نمازِ جنازہ کی امامت میں نے خود کرائی تھی۔ حضور قبلہ مُحدّث مُرشد آبادی علیہ الرحمہ کے وصال با کمال کے وقت آپ کی تدفین (دفن) کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ دربار شریف روضہ مُبارک کے چاروں سمت دروازے ہیں اور دروازوں کے بالکل عین درمیان میں حضرت خواجہ گل حسن مُرشدآبادی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کی تُربتِ اطہر (قبر مُبارک) ہے۔ اور قبر شریف کے چاروں طرف دروازوں کا فاصلہ ایک جیسا ہے اگر آپ کو حضرت خواجہ گل حسن مُرشدآبادی علیہ الرحمہ کے دائیں بائیں دفن کیا جاتا تو ایک دروازہ بند ہو جاتا۔ انہی لمحات میں مخلوقِ خدا نے دیکھا کہ حضرت خواجہ گل حسن مُرشدآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر مُبارک دائیں جانب یعنی مغرب کی طرف سرک (ہٹ) گئی اور بائیں (شرقی) جانب حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشدآبادی قدس سرہٗ العزیز کی قبرِ انور کے لئے جگہ خالی ہوگئی اور چاروں دروازوں کا فاصلہ بھی جُوں کا تُوں ہے۔

درگاہ مُقدس مُرشدآباد شریف کی سجادہ نشینی: حضرت خواجہ محمد عبدالغفور مُحدّث مُرشدآبادی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے بڑے دونوں شہزادوں یعنی شیخُ المشائخ حضرت خواجہ پیر ابُو الحلیم محمد عبدالحمید ارشد مُجددی نقشبندی الحسنی فاضل مُرشدآبادی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ اور حاجی الحرمیں الشریفین حضرت خواجہ الحاج ابُو الانوار محمد عبدالمعید پیر سُبحانی مُجددی نقشبندی الحسنی چراغِ مُرشدآبادی کو طریقہ عالیہ، نقشبندیہ، مُجددیہ، سراجیہ، حسنیہ، غفُوریہ میں خود مُرید (بیعت) فرمایا اور سلسلہ عالیہ کے اَوراد و وظائف اور مُراقبات کی منازل طے کرا کے خود ہی اجازت و خلافت سے مُشرف فرمایا۔ آپ کے وصال با کمال کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مُجددیہ سراجیہ حسنیہ غفُوریہ کو خُوب خُوب فروغ بخشا۔ سلسلہ بیعت کے ساتھ ساتھ کئی خوش نصیب حضرات کو باقاعدہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ مُجددیہ کی اجازت وخلافت بھی بخشی۔ آپ کے چھوٹے شہزادے مخدومُ المشائخ حضرت خواجہ ابُو الانوار محمد عبدالمعید پیر سُبحانی مُجددی نقشبندی الحسنی چراغِ مُرشدآبادی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ تاجدار مُرشدآباد شریف کے اپنے پیر خانہ سواگ شریف اور دادا مُرشد خانہ پیرانِ مُوسٰی زئی شریف (دامان) کے ساتھ بہت قریبی رشتہ داری اور گہرے تعلقات ہیں۔ نیز حاجی الحرمین الشریفین قاسم فیضانِ سیّدنا مُجدد الف ثانی، شیر ربّانی عارفِ حقّانی مُرشدلا ثانی مخدومُ المشائخ حضرت خواجہ ابُو الانوار محمد عبدالمعید پیر سُبحانی مُجددی نقشبندی الحسنی چراغِ مُرشدآبادی قدس سرہٗ النّورانی کا حلقہ احباب و مُریدین اندرون ملک (پاکستان) اور بیرونِ ملک بھی کافی پھیلا ہُوا ہے۔ آپ کے مُریدین وخلفائے کرام میں سے خصوصیّت کی ساتھ آپ کی بارگاہ اقدس میں جو اعلیٰ مقام ومنصب اور خصوصی پذیرائی اور قُرب ومقبولیّت حضرت ارشدملّت خواجہ پیر ابُو البرکات محمد ارشد سُبحانی دامت برکاتہم العالیہ کو نصیب ہُوا ہے وہ انہی کا حصّہ ہے۔

تراجمِ قران میں کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات

از۔مولانا طفیل احمد مصباحی

ترجمہ نگاری ایک مستقل فن ہے جو تصنیف و تالیف سے زیادہ دشوار اور دقت طلب ہے۔کسی بھی زبان کا ادیب و مصنف اور نثر نگار اپنی زبان میں بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے۔لیکن دوسری زبان کے علمی و ادبی سرمایے کو اپنی زبان میں منتقل کرتے وقت اس کو بہت ساری مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔جس کا اندازہ ایک مترجم ہی لگا سکتا ہے۔

لغت کی مدد سے ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دینا یا اصل کے مفہوم کی ترجمانی کر دینا حقیقتاً ترجمہ نگاری نہیں۔ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ اس میں اصل کی روح سرایت کر جائے اور ترجمہ پر اصل کا گمان گذرے۔ترجمہ کی اہمیت وافادیت اور اس کی علمی، ادبی، سماجی اور تمدنی ضرورتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے ترجمے کا سہارا لینا انسان کی بنیادی ضروریات میں ہے۔کہا جاتا ہے کہ عالمی سرگرمیوں میں سے ایک عظیم سرگرمی ترجمہ نگاری بھی ہے۔دو اجنبی ملک ترجمہ نگاری کی بدولت ہی ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور اپنے تجارتی تعلقات استوار کرتے ہیں۔ ترجمہ نگاری عہدِ قدیم سے رائج ہے۔اردو میں مختلف زبانوں سے تراجم کا آغاز عہدِ مغلیہ سے ہو چکا تھا اور سولہویں صدی عیسوی بلکہ اس سے قبل ہی اردو ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔

ترجمہ نگاری کے اسباب ومحرکات یہ ہیں:

☆مذہبی ضرورت اور دعوتی وتبلیغی تقاضے۔

☆ترقی یافتہ اقوام کی تہذیب۔

☆علوم وفنون اور ادبیاتِ عالم سے آگاہی کی فطری خواہش۔

☆ زبان وادب کی ترقی وتوسیع، اقتصادی، معاشی، سیاسی اور صحافتی ضروریات۔

ترجمہ کے مختلف طریقے ہیں:

☆لفظی ترجمہ۔

☆ آزاد ترجمہ۔

☆تخلیقی ترجمہ وغیرہ۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں اردو نثر ونظم میں درجنوں تراجم وجود میں آئے۔انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج اور دلی کالج سے تراجم نگاری کے فن کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ 1903ء میں انجمن ترقی اردو دہلی کا قیام عمل میں آیا، جس کے تحت مغربی زبانوں، عربی، فارسی اور سنسکرت سے اردو میں متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے۔اسی طرح دارالترجمہ عثمانیہ، حیدرآباد کے زیرِ اہتمام مختلف موضوعات پر تقریباً ساڑھے چار سو کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے پہلی بار قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔غرض کہ اردو

زبان میں ترجمہ نگاری کی رفتار دن بدن سے تیز سے تیز تر ہوتی گئی ،جس سے ترجمہ نگاری کی اہمیت وضرورت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ترجمہ نگاری کے آغاز وارتقا کو سمجھنے کے لیے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''اردو ادب کے ابتدائی عہد کے اندر بہت بڑی تعداد میں فارسی، عربی اور سنسکرت سے اردو نثر میں ترجمے کیے گئے۔یہ ترجمے مذہب، تصوف، شاعری، داستانیں، ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے تھے۔ان کتابوں کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ایک پوری کتاب کی ضرورت ہوگی۔یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اردو میں پہلا ترجمہ کون سا ہے۔بعض محققین کا خیال ہے کہ شاہ میراں جی خدا نما نے ابوالفضائل عبداللہ بن محمد عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیف ''تمہیداتِ ہمدانی'' کا عربی سے اردو میں جو اردو ترجمہ کیا تھا، وہ اردو کا پہلا ترجمہ ہے۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ ملا وجہی نے پہلی بار شاہ جی نیشاپوری کی فارسی تصنیف ''دستورِ عشاق'' کا اردو میں ''سب رس'' کے نام سے ترجمہ کیا۔۱۷۰۴ء میں شاہ ولی اللہ قادری نے شیخ محمود کی فارسی تصنیف ''معرفۃ السلوک'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں سید محمد قادری کی فارسی تصنیف ''طوطی نامہ'' کا ترجمہ ہوا۔تقریباً اسی زمانے میں فضل علی فضلی نے ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضۃ الشہداء'' کا اردو میں ''کربل کتھا'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ان ترجموں کے بارے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ ترجمہ باقاعدہ ترجمہ نہیں بلکہ کتابوں کی تلخیص یا آزاد ترجمہ ہوتے تھے۔ان میں ترجمہ نگاری کے ان سائنٹفک اصولوں کی پابندی نہیں کی جاتی جو اچھے ترجموں کے لیے ضروری ہیں۔

عیسائیوں نے جب ہندوستان میں تاجروں کی حیثیت سے قدم رکھا تو ان کے مبلغین نے اپنی مذہبی کتابیں ترجمہ اور تالیف کر کے شائع کیں۔اٹھارہویں صدی کے وسط میں انہوں نے توریت اور انجیل کے اردو ترجمے شائع کیے، جس کا ترجمہ ''بنجمن شولٹز'' (Benjamain Schultze) نے کیا تھا۔اس کے بعد شولٹز نے کتاب ''دانیال'' کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ان تمام کتابوں کی فہرست ''سی، اے گیریرسن'' نے اپنی کتاب ''ہندوستان کا لسانی جائزہ'' جلد نہم میں دی ہے۔

اردو میں قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی نے کیا۔یہ ترجمہ لفظی تھا۔یعنی قرآن شریف کے ہر لفظ کا اس طرح ترجمہ کیا گیا کہ اردو فقروں کی ساخت بالکل بدل گئی۔اس ترجمے میں سلاست اور روانی نہ ہونے کی وجہ سے اصل مفہوم سمجھنا مشکل تھا۔شاہ رفیع الدین نے یہ ترجمہ ۱۷۷۶ء میں کیا تھا۔تقریبا انیس سال بعد یعنی ۱۷۹۵ء میں شاہ رفیع الدین کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر دہلوی نے بھی قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ پہلے ترجمے کے مقابلے میں سلیس، شگفتہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا تھا۔

اب تک اردو میں دیگر زبانوں سے جتنے تراجم ہوئے تھے، وہ انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھے۔فورٹ ولیم کالج پہلا ادارہ تھا، جس نے منظم اور باقاعدہ طریقے پر عربی، فارسی اور سنسکرت سے اردو میں ترجمے کیے''۔

(فن ترجمہ نگاری، ص:۱۱،۱۲، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو، نئی دہلی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور کنز الایمان: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ اپنے وقت کے مجدد، پچاس سے زائد علوم وفنون کے متبحر عالمِ دین، تقریباً ایک ہزار کتب و رسائل کے مایۂ ناز مصنف، متکلم، فقیہِ اسلام، محدث، مفسر، قادر الکلام شاعر اور عربی، فارسی و اردو زبان کے ممتاز ادیب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری و نثر نگاری کی طرح ان کے ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' میں زبان و بیان اور ترجمہ و تفسیر کا حسن علیٰ وجہ الکمال پایا جاتا ہے۔

ایک مترجمِ قرآن اور مفسرِ قرآن کے لیے جن اساسی علوم کی ضرورت ہوا کرتی ہے، وہ امامِ موصوف میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ ترجمۂ قرآن و تفسیرِ قرآن پاک کے حوالے سے علمائے علم تفسیر نے چار اصول کی نشان دہی فرمائی ہے:

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن۔

(۲) تفسیر القرآن بالحدیث۔

(۳) تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین۔

(۴) تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ والقواعد الاسلامیۃ۔

کنز الایمان کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمۂ قرآن علمائے مفسرین کے بیان کردہ اصول و ضوابط کے عین مطابق ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول:

''اس ترجمہ میں اردو، عربی کے اسلوب میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔اور جو فصاحتِ زبان سے آشنا ہو، اسے کہنا پڑے گا کہ اس ترجمہ میں زبان و بیان کی بلاغت اعجاز کی سرحدوں کو چھوتی معلوم ہوتی ہے۔''

مولانا کوثر نیازی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:

''امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے ...... کنز الایمان روح پرور ترجمۂ عشقِ رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔''

اردو تراجمِ قرآن میں کنز الایمان بہت ساری امتیازات و خصوصیات کا حامل ہے، جن میں چند یہ ہیں:

لفظی و با محاورہ ترجمہ کا حسنِ امتزاج: ''کنز الایمان'' ایک اسم با مسمّٰی ترجمہ ہے۔ یہ کنز الایمان بھی ہے اور کنز الادب والترجمۃ بھی ہے۔ یہ ترجمہ نہ محض لفظی ہے اور نہ صرف با محاورہ، بلکہ لفظی اور با محاورہ ترجمے کا حسنِ امتزاج اس کی سطر سطر سے نمایاں ہے۔

کنز الایمان کے لفظی و معنوی محاسن کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

(۱) ذٰلك الكتٰب لا ريب فيه۔

مولوی محمود الحسن دیوبندی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ:

''اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔''

مولوی اشرف علی تھانوی اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔''

اس آیت میں جو کلمۂ نفی ''لا'' ہے، وہ لائے نفی جنس ہے، جو اپنے مدخول سے حکم کی نفی کرتا ہے۔ عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنسِ ریب (شک) کی نفی ہے اور لفظ ''فی'' کا مدخول ظرفی ہوتا ہے کبھی زمان کے لیے اور کبھی مکان کے لیے۔ تو اب آیت کا معنیٰ یہ ہو گا کہ ''قرآن مجید جنسِ ریب کا محل نہیں بنا''، جس کا مفہوم اور خلاصہ

یہ ہوا کہ قرآنِ مقدس میں کسی نے شک نہیں کیا۔ حالاں کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ قرآن محلِ ریب بنا ہے اور کفار و مشرکین نے اس کی آیتوں میں شک کیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

و ان کنتم فی ریب مما نزلناه علیٰ عبدنا۔

یہی وہ اشکال تھے جسے دور کرنے کے لیے علامہ تفتا زانی نے ''مطول'' اور علامہ بیضاوی نے تفسیر بیضاوی میں لمبی چوڑی عبارتیں تحریر کی ہیں۔ لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے اتنی مہارت و نفاست کے ساتھ زیرِ نظر آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ مذکورہ اشکال رفع ہو گیا ہے۔ آپ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔''

''ذالك'' اشارۂ بعید کے لیے آتا ہے اور اشارۂ بعید ''وہ'' کا معنیٰ رکھتا ہے۔ یہاں امام موصوف نے ''ذٰلك الكتٰب'' کا ترجمہ ''وہ بلند رتبہ کتاب'' کر کے عبارت کا حسن بڑھا دیا ہے اور کتاب اللہ کی عظمت و حقانیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

قرآنِ مقدس سراپا معجزہ ہے اور اس کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک نمایاں وجہ اس کا منفرد اور جداگانہ اسلوبِ بیان ہے۔ چنانچہ احمد حسن الزیات رقم طراز ہیں:

من قائل أنه الفصاحة الرائعة المذهب الواضح و الأسلوب الموثق ونحن الى هذا الرأى أميل، فان القوم الذين تحدوا به لم يكونوا فلاسفة و لا فقهاء حتى يكون عجزهم عن الاتيان بمثله معجزة، انما كانوا بلغاء مصادع و خطباء مصاقع و شعراء فحولاً، وفى القرآن من دقة التشبيه والتمثيل و بلاغة الاجمال والتفصيل و روعة الأسلوب و قوة الحجاج ما يعجز طوق البشر ويرمى المعارضين بالسُّكات والحَصَر۔

(تاریخ الادب العربی، ص:۸۹)

یعنی بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں شاندار فصاحت، واضح فکر و نظریہ اور مستحکم اسلوب پائے جاتے ہیں۔ میری بھی یہی رائے ہے۔ کیوں کہ قرآن کے ذریعے جس قوم کو للکارا گیا اور چیلنج کیا گیا، وہ نہ تو منطقیانہ موشگافیوں سے واقف تھے، نہ ہی فہم و فراست کے حامل کہ ان کا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہنا معجزہ ہوتا، ہاں! وہ میدانِ بلاغت کے ہیرو، بلند پایہ مقرر اور قادر الکلام شاعر تھے۔ نیز قرآن میں دقیق تشبیہ و تمثیل، ایجاز و اطناب، حسین اسلوب اور قوت استدلال نے انسانی قوت کو درماندہ کر دیا اور مخالفین پر سکتہ طاری کر دیا۔

اس صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جملہ آسمانی و الہامی کتابوں میں قرآنِ مقدس وہ واحد کتاب ہے، جو ہر جہت سے بے مثل اور لاجواب ہے۔ اس کے معانی، مفاہیم، طریقۂ تبشیر و انذار، اسالیبِ بیان، اندازِ تخاطب، تمثیلات، غرض کہ جس زاویے سے دیکھا جائے، اس کی انفرادیت نمایاں ہے۔ قرآن مقدس کا اسلوب نہایت دلکش، دلنشیں، منفرد اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ حسنِ کلام، شکوہِ بیان، انتخابِ الفاظ اور مضامین میں ربط و تسلسل، قرآنی اسلوب کی چند ایسی خصوصیات ہیں، جنہیں نہ تو لفظی ترجمہ اپنے اندر سمو سکتا ہے اور نہ ہی با محاورہ ترجمہ۔ قرآن کے منفرد اور جداگانہ اسلوبِ بیان کے لیے ایسے ہی منفرد اور جداگانہ ترجمے کی

ضرورت ہے، جس میں لفظی اور با محاورہ ترجمہ کی بیک وقت دونوں خصوصیات موجود ہوں۔ اردو تراجمِ قرآن میں کنز الایمان وہ واحد ترجمہ ہے، جس میں قرآن کے منفرد اور مخصوص اسلوب کی ترجمانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر منہاجی کے بقول:

''اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز وہ واحد شخصیت ہیں، جنہوں نے ''کنز الایمان'' کے نام سے قرآنِ حکیم کا ایسا ترجمہ کیا ہے جو لفظی ترجمہ کے نقائص سے بھی مبرّا ہے اور با محاورہ ترجمہ کی کمزوریوں سے بھی پاک ہے۔ آپ نے قرآنی عبارات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری اسے پڑھ کر حتی الوسع ہر لفظ کا معنیٰ بھی سمجھ سکتا ہے اور قرآن کے حقیقی مراد اور مفہوم تک بھی بآسانی رسائی پا لیتا ہے۔ کنز الایمان نہ تو قدیم اسلوب کے اعتبار سے محض لفظی ترجمہ ہے اور نہ ہی جدید اسلوب کے لحاظ سے فقط با محاورہ۔ کنز الایمان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے لفظی ترجمے کے محاسن کے حوالے سے قرآن کے ہر ہر لفظ کا مفہوم اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لغت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی اور با محاورہ ترجمہ کے محاسن کو بھی اس خوبی و کمال کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا بوجھ یا ثقل محسوس نہیں ہوتا۔

(کنز الایمان کی فنی حیثیت، ص: ۱۰/ ۱۱، ناشر: منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور)

(۲) و یعلمك من تاویل الاحادیث۔

اس کا با محاورہ ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تجھے خوابوں کی تعبیر سکھا دے گا۔ اسی طرح لفظی ترجمہ کرنے والوں نے بھی ''تاویل الاحادیث'' کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ بات واضح نہیں ہوتی۔

اس طرح دونوں طرح کے تراجم (لفظی و با محاورہ) سے لفظ ''تاویل'' کا معنیٰ واضح نہ ہو سکا اور یہ پتہ نہیں چل سکا کہ ''تاویل'' کسے کہتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی اس کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''اور (تیرا رب) تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔''

آپ نے ''احادیث'' کا ترجمہ ''باتوں'' سے کیا ہے۔ کیوں کہ حدیث ''بات'' کو کہتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے ''تاویل'' کا معنیٰ ''انجام نکالنا'' کیا ہے۔ قرآن پاک کے ترجمہ کی پوری تاریخ میں ایسا منفرد ترجمہ کہیں نظر نہیں آتا۔ ایک مجدد کا قلمِ اعجاز رقم ہی ایسا منفرد، معنیٰ خیز اور بلیغ ترجمہ کر سکتا ہے۔

اب رہا یہ دعویٰ کہ ''تاویل'' کا وہی معنیٰ راجح ہے، جو امام موصوف نے کیا ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ لغت کی رو سے ''تاویل''، مشتق ہے ''اول'' سے اور ''اول'' کا معنیٰ ہے ''رد الشي إلى الغاية المرادة منه'' یعنی کسی چیز کی غایتِ مقصودہ یعنی انجام کی طرف لوٹ آنا۔ اسی کو ''تاویل'' کہتے ہیں۔ لہٰذا ''تاویل'' کا مطلب انجام نکالنا۔ انجام سے باخبر ہونا، مقصودِ اصلی سے مطلع ہونا ہے اور امام موصوف نے ''من تاویل الاحادیث'' کا جو ترجمہ ''باتوں کا انجام نکالنا'' کیا ہے، وہ عربی قواعد و لغت کے عین مطابق ہے۔ اربابِ تفسیر اور علمائے لغت نے اس کا یہی معنیٰ متعین کیا ہے۔

نیز مذکورہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور با محاورہ بھی۔ با محاورہ اس طرح کہ اس میں لفظی ترجمے کا کوئی جھول نہیں پایا جاتا۔ اس ترجمہ سے نہ عبارت کی روانی متاثر ہوئی ہے اور نہ تسلسل ٹوٹا ہے۔ نہ کہیں عبارت

میں سقم پیدا ہوا ہے اور نہ مضمون کا نظم مضمحل ہوا ہے۔ یوں اس ترجمے میں لفظی اور بامحاورہ ترجموں کا حسن کمال خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔

قرآن کے تفسیری اور معنوی پہلوؤں کا التزام: ترجمۂ قرآن یا پھر کسی بھی فن کی کتاب کے ترجمے کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اس کے مفہوم اور معنی، مراد تک رسائی حاصل کی جائے اور مطلوب و مقصود کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ ''کنز الایمان'' کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس میں بعض مقامات پر قرآن کے معنوی پہلو یا مرادی تفسیر کا التزام کیا گیا ہے، تا کہ قرآن کا معنوی پہلو اولِ نظر میں واضح ہو جائے اور قاری کو ترجمہ کے بعد دیگر کتبِ تفاسیر کی جانب رجوع نہ کرنا پڑے۔ قرآن مقدس کے معنوی پہلوؤں کی تفہیم کے لیے سورۂ رحمٰن شریف کی ابتدائی چار آیتوں کا یہ ترجمہ ملاحظہ کریں، جو امام احمد رضا کے قلم سے معرضِ وجود میں آیا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد (ﷺ) کو پیدا کیا۔ ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔

اس کے برعکس دیگر مترجمین نے مذکورہ آیات کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے:

(۱) رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو گویائی سکھائی۔

(۲) رحمٰن نے قرآن پڑھایا، اس نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو بولنا سکھایا۔

(۳) بڑے رحم والے خدا نے قرآن محمد کو سکھایا۔ اسی نے آدم کو پیدا کیا، اس کو بولنا سکھایا۔

(۴) نہایت مہربان خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سورۂ رحمٰن کی ان آیات کے مرادی ترجمے میں جس تفسیری مہارت کا ثبوت دیا ہے، اسے لغت و تفاسیر کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ متعدد مفسرین نے ''خلق الانسان'' سے انسانیت کی جان اور انسان کا فردِ کامل حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو مراد لیا ہے۔ چنانچہ ''تفسیرِ قرطبی'' میں ہے:

و عن ابن عباس أيضاً و ابن كيسان: الإنسان هاهنا يراد به محمد ﷺ، والبيان بيان الحلال من الحرام، والهدى من الضلال، و قيل: ما كان و ما يكون، لأنه يبين عن الأولين و الآخرين و يوم الدين۔

(تفسیر قرطبی، جلد ۱۷، ص ۱۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

''تفسیرِ خازن'' میں ہے:

وقيل أراد بالإنسان محمداً ﷺ، علمه البيان يعنى بيان ما يكون و ما كان، لأنه صلى الله عليه و آله و سلم ينبى، عن خبر الأولين و الآخرين و عن يوم الدين، و قيل: علمه بيان الأحكام من الحلال و الحرام والحدود والأحكام۔

(تفسیرِ خازن، الجزء الرابع ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صوتی حسن: اعجازِ قرآنی پر نظر رکھنے والے علمائے کرام اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ قرآن مقدس کے اسلوبِ بیان میں

ایک منفرد صوتی حسن، پُر کیف نغمگی، سلاست وروانی اور وجد آفریں صوتی جمال پایا جاتا ہے۔ صوتی حسن اور حلاوتِ کلام سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''الفوز الکبیر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''آیات وابیات کے درمیان فرق کے سلسلے میں واضح اور فیصلہ کن بات جو کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ایسے نغمے ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کے لیے لذت واہتزاز کا باعث بنتے ہیں ..... کلمہ کے آخر میں الف کا آنا بھی وسیع قافیہ ہے، جس کا اعادہ لذت بخش ہے، اگر چہ حرفِ روی مختلف ہو۔ اس لیے کہیں ''کریما''، کہیں ''حدیثا'' اور کہیں ''بصیرا'' آتا ہے اور اگر حرفِ روی کی موافقت کا اس صورت میں التزام کیا جائے تو وہ ازقبیلِ التزامِ مالا یلزم ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ مریم وسورۂ فرقان کے اوائل میں واقع ہے۔

اسی طرح آیات کے اندر کسی ایک حرف کی موافقت مثلاً: سورۂ قتال میں ''م'' اور سورۂ رحمٰن میں ''ن'' کا بار بار آنا باعثِ فرحت ولذت ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ کلام کے بعد کسی ایک جملہ کا اعادہ لذت بخش ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ شعراء وسورۂ قمر وسورۂ مرسلات میں۔ کبھی ذہنِ سامع میں شگفتگی پیدا کرنے اور کلام کی لطافت اجاگر کرنے کے لیے سورت کے آخری حصے کے فواصل، اس کے اوائل سے مختلف ہوتے ہیں مثلاً سورۂ مریم کے آخر میں '' اِدًّا''۔ ''لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا۔ ''اور ''هَدًّا ''۔''وَتَخِرُّ الجِبَالُ هَدًّا'' اور سورۂ فرقان کے آخر میں '' سلاما'' اور '' کراما''۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مترجم، ص۸۲، ۸۵، مطبوعہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

اسی طرح آیتِ کریمہ:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔

بھی صوتی حسن اور حلاوتِ کلام کی ایک پُر کیف اور بہترین مثال ہے۔ صوتی حسن کی مثال گرتی آبشار سے دی گئی ہے کہ جس کے گرنے سے فضاؤں میں ترنم اور نغمگی بکھر جاتی ہے۔

قرآن کے اس صوتی حسن اور دل پذیر اسلوبِ بیان کو اپنے ترجمے میں سمونے کا کام بھی وہی شخص کرسکتا ہے، جو اپنے وقت کا مجددِ اعظم، ادیبِ اعظم اور مترجمِ اعظم ہو اور جس کو تبحرِ علمی کے باعث ''اعلیٰ حضرت'' جیسے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہو۔ اس سلسلے میں سورۂ ''تکویر'' کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں اور پھر اعلیٰ حضرت کا ترجمہ دیکھیں، آپ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ آیاتِ قرآنی میں جو صوتی حسن اور نغمگی وترنم ہے، اس کی جھلک اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۔ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ۔ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔

ترجمہ: جب دھوپ لپٹی جائے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھکی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جب وحشی

جانور جمع کیے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑ بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے۔

ایجاز و اختصار: تراجمِ قرآن میں کنز الایمان کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایجاز واختصار پایا جاتا ہے۔ ایجاز واختصار کلام کی ایک بڑی خوبی ہے، جس سے کلام کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) والله يرزق من يشاء بغير حساب۔

اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔

(کنزالایمان)

اور رزق اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں۔

(ترجمۂ تھانوی)

(۲) و الله يهدی من يشاء إلیٰ صراط مستقيم۔

اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔

(کنزالایمان)

اور اللہ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتاتے ہیں۔

(ترجمۂ تھانوی)

(۳) والله لا يهدی القوم الظلمين۔

اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا ہے۔

(کنزالایمان)

اور جو لوگ بے انصاف ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتے۔

(ترجمۂ تھانوی)

(۴) ولا تعثوا فی الارض مفسدين۔

اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

(کنزالایمان)

اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔

(ترجمۂ تھانوی)

مذکورہ بالا ترجموں پر غور کریں کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجموں کے مقابل امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجموں میں ایجاز واختصار کے علاوہ جامعیت، لسانی چاشنی اور معنوی حسن بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔

اطنابِ افادی: علمِ معانی کی اصطلاح میں مخصوص فائدے کے لیے مطلب سے زیادہ الفاظ لانے کو ''اطناب'' کہا جاتا ہے، اس کا مقابل ایجاز ہے۔ ''ایجاز'' اور ''اطناب'' کا اثر مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے موقع کی مناسبت سے بعض اوقات ترجمہ وغیرہ میں ان دونوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس طور پر کہ ایجاز ''دائرۂ مخل'' اور اطناب ''سرحدِ ممل'' میں داخل نہ ہونے پائے۔ اگر ''اطناب'' سے مقصود کسی امرِ ضروری کی وضاحت ہو اور یہ قاری وسامع کو ملولِ خاطر کرنے کا سبب نہ بنے تو ''اطناب'' ایک امرِ محمود ہے۔

''کنزالایمان'' میں ایجاز واختصار کے علاوہ تفہیمِ مطالب کی غرض سے ''اطناب'' کی چاندنی بھی صفحۂ قرطاس پر جگمگاتی نظر آتی ہے۔ مثلاً:

(۱) زیّن للذین کفروا الحیوٰة الدنیا۔

ترجمہ: کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی۔

(۲) إن المنٰفقین یخٰدعون الله وهو خادعهم۔

ترجمہ: بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔

(۳) قل إن کان للرحمٰن ولد فأنا اول العابدین۔

ترجمہ: تم فرماؤ! بفرضِ محال رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے پوجتا۔

(۴) إن ربی علیٰ صراط مستقیم۔

ترجمہ: بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔

(۵) و عصیٰ آدم ربه فغویٰ۔

ترجمہ: اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔

پہلی آیت کے ترجمہ کے اندر ''نگاہ میں''۔ دوسری آیت کے ترجمہ میں ''اپنے گمان میں'' اور ''غافل کر کے مارے گا''۔ تیسری آیت کے ترجمہ میں ''بفرضِ محال''۔ چوتھی آیت کے ترجمہ میں ''ملتا ہے'' اور پانچویں آیت کے ترجمہ میں ''تو جو مطلب چاہا تھا''، کا اضافہ من قبیلۂ اطناب ہے اور اس سے مقصود مقامِ الوہیت و منصبِ رسالت کی پاس داری کے علاوہ ازالۂ شبہات ہے، جو متعلقہ آیات سے وارد ہوتے ہیں۔

سلاست و روانی اور صفائی و برجستگی: فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، سادگی اور صفائی و برجستگی بھی ''کنز الایمان'' کی ایک اہم ترین خصوصیت ہے۔ از اول تا آخر مکمل کنز الایمان کا مطالعہ کر جائیں، کہیں بھی آپ کو عبارت میں کسی قسم کا ثقل، جھول، تعقید اور سلاست و روانی کے خلاف بات نظر نہیں آئے گی۔ تفصیل سے قطعِ نظر صرف ایک مثال کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ۔ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ۔ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے، اس پر صبر کر۔ بے شک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر اور زمین پر اتراتا نہ چل۔ بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا، فخر کرتا۔ اور میانہ چال چل اور اپنی آواز پست کر۔ بیشک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔

شانِ الوہیت و مقامِ نبوت و رسالت کا پاس و لحاظ:

اردو تراجمِ قرآن میں ''کنز الایمان'' وہ واحد ترجمہ ہے جس میں شانِ الوہیت کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا اور عظمتِ نبوت و رسالت کا تقدس بھی پیشِ نظر ہے۔ شانِ الوہیت و مقامِ نبوت و رسالت کا پاس و لحاظ، ایک ایسی خوبی ہے جو کنز الایمان کو دیگر تراجمِ قرآن سے منفرد و ممتاز کرتی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے ترجمۂ قرآن کے بارے میں استاد سعید بن عزیز یوسف زئی (امیر جمعیت برادرانِ اہلِ

حدیث، پاکستان) تحریر کرتے ہیں:

''جہاں تک علمائے دیوبند کا تعلق ہے، وہ تو نہایت شدومد سے اس کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ تکفیر کرتے ہیں۔مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ ''الٓمٓ'' سے لےکر ''والناس'' تک ہم نے ''کنزالایمان'' میں نہ تو کوئی تحریف پائی ہے اور نہ ہی ترجمہ میں کسی قسم کی غلط بیانی کو پایا ہے۔نہ ہی کسی بدعت اور شرک کرنے کا جواز پایا ہے، بلکہ یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ اس کی جلالت، علوت، تقدس وعظمت وکبریائی کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتبِ فکر کے علما کے ہوں، ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوبِ خدا، شفیع روزِ جزا، سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے یا جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقتِ ترجمہ جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں پر بھی اوروں کی طرح صرف لفظی اور نحوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے، بلکہ صاحبِ ''وما ینطق عن الھوی'' اور ''ورفعنالك ذكرك'' کے مقامِ عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ناپید ہے۔

(مولانا احمد رضا خان اور ان کے معاصر علمائے اہلِ سنت کی علمی و ادبی خدمات، ص۱۴، ناشر تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، پاکستان)

ذیل میں چند آیاتِ کریمہ پیش کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ دیگر مترجمین کے تراجم بھی لکھے جاتے ہیں، تاکہ شانِ الوہیت ومقامِ نبوت ورسالت سے متعلق امام موصوف کے محتاط فکر وقلم کا اندازہ لگایا جاسکے:

(۱) وَ مَكَرُوا وَ مَكَرَ الله۔ وَ اللّٰهُ خَيرُ المٰكِرِينَ۔

مولانا محمود الحسن دیوبندی نے لکھا ہے:

اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا مکر سب سے بڑھ کر ہے۔

مولانا وحید الزماں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

اور وہ اپنا داؤں کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤں کر رہا تھا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں میں بہت داؤں کرنے والا ہے۔

اللہ رب العزت کی شانِ رفیع میں ''مکر'' اور ''داؤں'' جیسے بھونڈے اور غیر مہذب الفاظ کا استعمال کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہیں۔اب اعلیٰ حضرت کے محتاط قلم کا جلوہ دیکھیں کہ انہوں نے مذکورہ آیت کا ترجمہ کتنا عمدہ اور کتنے مؤدب انداز میں کیا ہے۔

''ان کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔

(۲) اَللهُ يَستَهزِئُ بِهِم۔

مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔

مولانا وحید الزماں نے لکھا ہے:

اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔

فتح محمد خاں جالندھری نے لکھا ہے:

ان منافقوں سے اللہ ہنسی کرتا ہے۔

مگر اعلیٰ حضرت کی ترجمہ نگاری کا یہ حسین منظر ملاحظہ فرمائیں:

''اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔''

(۳) مَا کُنتَ تَدرِی مَا الکِتٰبُ وَلَا الاِیمَانُ۔

مولانا محمود الحسن دیوبندی نے کہا:

اے نبی! تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔

اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے۔

''نبی'' کا معنیٰ ہی ہوتا ہے: غیب کی خبر دینے والا/غیب کی باتیں بتانے والا۔ پھر امام الانبیاء حضور سید عالم ﷺ کی شان میں یہ کہنا کہ ''ان کو ایمان کی خبر نہیں تھی''۔ کس قدر توہین آمیز اور مضحکہ خیز ہے۔ لیکن امام احمد رضا قدس سرہ نے جب اس آیت کا ترجمہ کیا تو نبوت و رسالت کے عظیم ترین مقام و منصب کا خیال رکھتے ہوئے ترجمے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے اور نہ احکام شرع کی تفصیل''۔

(۴) قَالُوا تَاللہِ اِنَّکَ لَفِی ضَلٰلِکَ القَدِیمِ۔

مولانا محمود الحسن دیوبندی لکھتے ہیں:

لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اسی قدیم غلطی میں ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا:

وہ کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔

یہ ترجمہ بھی شانِ رسالت و مقامِ نبوت کے منافی ہے۔

اب اعلیٰ حضرت کا ایمانی تیور اور ان کی محتاط فکر ملاحظہ کریں، آپ لکھتے ہیں:

''بیٹے بولے: خدا کی قسم! آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔''

نعت پاک

از:- منصور محوؔر، دیہہ پور، کھیری ٹاؤن، کھیری

اب چشمِ منتظر پہ عنایت ہو یا رسول
خوابوں میں ہی صحیح زیارت ہو یا رسول

دونوں جہاں میں اس کی فضیلت ہو یا رسول
رسوا کہیں نہ آپ کی امت ہو یا رسول

تہذیب غیر کی نہ مسلط کروں کبھی
شامل میری حیات میں سنّت ہو یا رسول

محشر میں عاصیوں کی شفاعت کرے گا کون
جنّت کی آپ ہی تو ضمانت ہو یا رسول

اس پر ہی جینا مرنا خدارا سدا رہے
ہر اک میرے عمل میں شریعت ہو یا رسول

ابلیسی طاقتیں اسے گمراہ کیا کریں
حاصل جسے تمہاری قیادت ہو یا رسول

میری نظر میں ہیچ ہوں مصنوئی رونقیں
بس میرے دل میں آپ کی الفت ہو یا رسول

صابر پیا کو جس نے ہے صابر بنا دیا
محوؔر کے نفس میں وہ قناعت ہو یا رسول

باطن کے سارے پردے جو محوؔر پہ کھول دے
ہاں، منکشف وہ اس پہ حقیت ہو یا رسول

نام روشن اے رضا جس نے تمہارا کر دیا

سیدنا اعلیٰ حضرت کی عظمت وجلالت شان پر اکابر واعاظم علماء ومشائخ کے تاثرات واعترافات

اثر خامۂ ضیغم اہل سنت، رئیس التحریر علامہ محمد حسن علی رضوی، میلسی

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا
نام روشن اے رضؔا جس نے تمہارا کر دیا

واللہ العظیم! بخدا! فقیر سگ بارگاہ قادری برکاتی رضوی بایں معنی کچھ تحریر نہیں کر رہا کہ فقیر امام المحققین، تاج المدققین سیدنا اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین ملت علامہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادنیٰ عزیز طریقت اور وہ فقیر کے جد طریقت ہیں بلکہ فقیر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اکابرین ومعاصرین اور جلیل القدر خلفاء و تلامذہ کے مستند تاثرات واعترافات نقل کر رہا ہے۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں جیسا کہ آج کل تلامذہ ومریدین میں بعض حضرات اپنے پیروں اور استاذوں کو بلاغور وفکر اندھا دھند شدید مغالطہ آمیز القابات دیتے، لکھتے اور چھاپتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مسلمہ اکابر کرام کیا فرماتے ہیں:

ہم نے کیا احمد رضا دیکھا تجھے
سِرِّ ذات مصطفیٰ دیکھا تجھے
کیا کہوں کہ ہم نے کیا دیکھا تجھے
جو کہوں اس سے سوا دیکھا تجھے
جان جب تک جسم میں باقی رہی
ہم نے شیدا دین کا دیکھا تجھے
مفتیٔ اکناف عالم تیری ذات
مفتیوں کا مقتدا دیکھا تجھے
بدعت و باطل کی گردن کاٹ دی
تیغ مسلول خدا دیکھا تجھے
آیت فضل خدا دیکھا تجھے
رحمت رب وریٰ دیکھا تجھے
شمع احیائے سنن پر روز و شب
مثل پروانہ فدا دیکھا تجھے
مقتدا ہوں آ کے تیرے مقتدی
ہم نے ایسا پیشوا دیکھا تجھے

(فاضل ومحقق جلیل علامہ شاہ محمود جان پشاوری قدس سرہ)

خسروئے اولیاء سیدنا شاہ آل رسول قادری قدس سرہ

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ عالم رویا میں بشارت پا کر تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے، سیدنا شاہ آل رسول نے دور آتے دیکھ کر فرمایا: آیئے مولانا! ہم تو کئی روز سے انتظار کر رہے ہیں۔ پھر اسی وقت بیعت فرمایا اور اسی وقت اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ آستانے پر موجود علماء ومشائخ کو رشک ہوا، عرض کیا حضور!

اس بچے پر اتنی جلدی ایسا کرم کیسے ہوا؟ فرمایا لوگوں تم احمد رضا کو کیا جانو۔ یہ چشم و چراغ خاندان برکات ہیں۔ اور کو تیار کرنا پڑتا ہے یہ بالکل تیار آئے تھے۔ صرف نسبت کی ضرورت تھی۔ سیدنا شاہ آل رسول برکاتی قدس سرہ نے فرمایا: کل بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے آل رسول! تو دنیا سے کیا لایا؟ تو میں مولانا احمد رضا کو پیش کروں گا۔

(کرامات اعلیٰ حضرت وحیات اعلیٰ حضرت، المیزان ممبئی، مجدد اعظم نمبر، سوانح امام احمد رضا و مجدد اسلام)

سیدنا خسروئے اولیاء شاہ آل رسول تاجدار مسند مارہرہ مطہرہ نے اپنے ولی عہد، نور العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہ سے فرمایا: میاں صاحب میری اور میرے اکابر کی تمام کتابیں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جب تک مولانا احمد رضا خان کو نہ دکھالی جائیں ہرگز ہرگز نہ چھاپی جائیں۔ جتنی عبارات یہ کاٹ دیں ہماری طرف سے کٹی ہوئی سمجھی جائیں اور جتنی عبارات یہ بڑھا دیں ہماری طرف سے بڑھی ہوئی سمجھی جائیں۔ یہ اختیارات ان کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہیں۔

(ملخصا۔ ماہنامہ اشرفیہ کا سیدین نمبر)

سیدنا حسین بن صالح جمال اللیل مکی علیہ الرحمہ نے حرم کعبہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے چہرہ انور کو دور سے دیکھا تو فرمایا:

انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبینَ

میں اس پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں۔

(حیات اعلیٰ حضرت سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا)

شیخ المشائخ سیدنا شاہ علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ نے بوقت وصال فرمایا: میرا مسلک شریعت و طریقت میں وہی ہے جو حضور پرنور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ہے۔ میرے مسلک پر قائم رہنے کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

(مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری ماہنامہ سالک راولپنڈی، ماہنامہ رضوان لاہور زیر سرپرستی استاذ العلماء علامہ ابو البرکات سید احمد قادری زیر ادارت علامہ محمود احمد رضوی اشرفی، ماہنامہ سنی آواز ناگپور انڈیا، المیزان ممبئی)

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی لکھتے ہیں: میں اپنے حضور سیدنا شاہ علی حسین اشرفی کو وضو کروا رہا تھا کہ حضور شیخ المشائخ یکبارگی (بے ساختہ) چیخ مار کر رونے لگے۔ یہ بات کسی کے سمجھ میں نہ آئی۔ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر پوچھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ مبارکہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔ چند گھنٹے کے بعد بریلی شریف کا تار آیا تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا۔

(خطبہ صدارت جشن ولادت مجدد اعظم)

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بریلی شریف حاضری کے تاثرات میں فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت حدیث شریف پڑھاتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے پردے کے پیچھے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر پڑھا رہے ہیں۔

حضرت شیر محمد نقشبندی فرماتے ہیں: مراقبہ میں حضور سیدنا غوث اعظم قطب عالم سے دریافت کیا اس زمانے میں آپ کا نائب کون ہے؟ تو فرمایا: مولانا احمد رضا بریلوی۔

(ماہنامہ نور ظہور قصور مدیر اعلیٰ علامہ محمد شریف نوری قصوری و مفتی غلام سرور قادری)

اس سے قبل نائب اعلیٰ حضرت، محدث اعظم پاکستان قدس سرہ سے فقیر راقم الحروف (محمد حسن علی رضوی) نے ایسا ہی سنا۔

امیر ملت محدث علی پوری: بندۂ راقم الحروف علامہ مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ کی سانگلہ ہل والی قیام گاہ پر حاضر ہوا تو وہاں اختر ملت نبیرۂ امیر ملت پیر سید اختر حسین جماعتی علی پوری سے شرف زیارت وملاقات حاصل ہوا تو فرمایا: میرا اور ہمارے حضور امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان والا ہے۔ حضرت امیر ملت نے فرمایا: اگر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نہ ہوتے تو دیوبندی، مسلمانوں کو وہابی بنادیتے۔

واضح رہے کہ ''تحذیرالناس''، ''براہین قاطعہ'' اور ''حفظ الایمان'' وغیرہ کتب کی توہین آمیز گستاخانہ عبارات پر اعلیٰ حضرت کے فتوے ''حسام الحرمین'' شریفین کے حکم شرعی کی حضور امیر ملت اور حضرت صاحب زادہ علامہ پیر محمد حسین جماعتی قدس سرہ نے بھرپور تائید و حمایت اور تصدیق فرمائی تھی۔

(الصوارم الہندیہ مرتبہ شیر بیشۂ اہل سنت علامہ محمد حشمت علی خاں علیہ الرحمہ)

سیدنا امیر ملت علیہ الرحمہ بریلی شریف جانے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ: بریلی اعلیٰ حضرت کی خانقاہ اور ان کے مدرسہ میں جاکر مولانا احمد رضا خان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد حامد رضا خان کی زیارت ضرور کرنا، وہ قطب وقت ہیں۔

سیدنا امیر ملت قدس سرہ کا مدینہ طیبہ میں قیام اکثر خلیفۂ اعلیٰ حضرت، قطب مدینہ قدس سرہ کی قیام گاہ پر ہوتا تھا۔ جب امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت گنج مراد آباد رونق افروز ہوئے تو استاذ الاساتذہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے شہر سے باہر آکر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا اپنے شاگردوں اور مریدوں کے جم غفیر کے ساتھ استقبال کیا اور اپنی مسند خاص پر بٹھایا۔ الخ

رئیس المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ، صدر الصدور صدر الشریعہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت، ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین فاضل بہاری، محدث اعظم ہند علامہ ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی جیسے اکابر امت کے استاذ ہیں۔ حضرت محدث کچھوچھوی نے حضرت محدث سورتی سے استفسار کیا: ''کیا آپ علم حدیث میں اعلیٰ حضرت کے برابر ہیں؟ فرمایا نہیں ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا شہزادے میاں آپ سمجھے اس ''نہیں ہرگز نہیں'' کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا سنو! اعلیٰ حضرت اس فن علم حدیث میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ اگر میں سالہا سال تلمذ کروں تو ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔

(ملخصا خطبۂ صدارت مجدد اعظم ناگپور مہاراشٹر)

فخر المحدثین علامہ سید محمد دیدار علی محدث الوری قدس سرہ کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادابادی علیہ الرحمۃ سے دوستانہ گہرے روابط تھے۔ ایک بار علامہ سید محمد دیدار علی علیہ الرحمہ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے ملنے مراد آباد آئے۔ حضرت صدر الافاضل نے سیدنا اعلیٰ حضرت کی جلالت علمی کا والہانہ انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے کہا: آپ میرے ساتھ سیدنا اعلیٰ حضرت کی زیارت وملاقات کے لیے بریلی شریف چلیں۔ حضرت علامہ سید محمد دیدار علی شاہ صاحب نے فرمایا: نہ بھائی نہ۔ وہ پٹھان خاندان سے

ہیں۔طبیعت سخت ہے۔غصہ زیادہ ہے۔مگر حضرت صدر الافاضل اپنی دوستی اور محبت کے زور پر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بریلی شریف لے گئے۔سیدنا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کے بعد علامہ سید دیدار علی شاہ علیہ الرحمۃ نے عرض کیا حضور مزاج شریف کیسا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا بھائی! کیا پوچھتے ہو، طبیعت سخت، غصہ زیادہ ہے، پٹھان خاندان سے ہوں۔حضرت محدث الوری نے کشف کا یہ عالم دیکھا تو جبین عقیدت جھکا دی اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

ایک مرتبہ لاہور میں ''حفظ الایمان'' وعلم غیب پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا بریلوی اور تھانوی مصنف حفظ الایمان کا مناظرہ طے ہوا۔وعدے کے باوجود تھانوی صاحب تو وقت اور تاریخ مقررہ پر نہ آئے مگر شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، سیدنا شاہ علی حسین اشرفی جیلانی اور سیکڑوں علمائے اہل سنت کے ساتھ تاریخ مقررہ سے پہلے پہنچ گئے۔تاریخ مقررہ گزر گئی۔اب شیر بیشۂ اہل سنت، مظہر اعلیٰ حضرت مولانا حشمت علی خان علیہ الرحمہ کی شہر لاہور بھر میں جگہ جگہ تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ایک جمعہ کو شہر کی مرکزی مسجد وزیر خاں میں علامہ مولانا حشمت علی صاحب کی پرزور و پرجوش تقریر ہو رہی تھی کہ تقریر کے اختتام پر فخر المحدثین علامہ سید محمد دیدار علی شاہ صاحب نے مولانا حشمت علی خاں صاحب سے فرمایا: مولانا آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔آپ کے پیر ومرشد سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا آپ پر بڑا کرم ہے، بڑا فیض ہے۔میں نے خود دیکھا جب آپ تقریر کر رہے تھے، مسجد کے برامدے کی چھت پر مسند لگی ہوئی تھی اور آپ کی پرجوش تقریر سے سیدنا اعلیٰ حضرت بہت مسرور ہیں۔

(ہفت روزہ جمیعت لاہور زیر سرپرستی غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ وسوانح شیر بیشۂ اہل سنت، مشاہدہ مولانا محمد حشمت علی ملخصا)

علامہ شیخ یاسین احمد خیاری المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علم حدیث میں تبحر پر بدیں الفاظ فرمایا:

وھو امام المحدثین۔

اور وہ محدثین کے امام ہیں۔(کتاب سیدی ضیاءالدین احمد)

حافظ کتب الحرم علامہ سید اسماعیل خلیل نے جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عربی فتاویٰ کو دیکھا تو برجستہ فرمایا:

(ترجمہ) اور قسم کھا کر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ ان فتووں کو اگر امام ابوحنیفہ نعمان دیکھ لیتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور وہ اس کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کرتے۔

(کتاب سیدی ضیاءالدین احمد القادری)

شہنشاہ کاٹھیاواڑ، شمس المشائخ، علامہ سیدنا شیخ محمد صالح شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں بشارت کے بعد ۱۰۰۰ھ میں ایران کے شہر ''شیراز'' میں ہوئی۔آپ حسینی حسنی سید ہیں۔بغداد شریف میں دینی تعلیم، تفسیر اور حدیث وفقہ کی تعلیم مکمل کی۔بعد میں تبلیغ اسلام کے لیے ہند کا رخ کیا۔

اعلیٰ حضرت کی ولادت کی بشارت: سیدنا علامہ محمد صالح شیرازی قدس سرہ بلند پایہ محقق ومدرس تھے۔یہ چار ربیع الاول شریف ۱۰۲۱ھ میں اپنے مدرسے میں طلبہ کو درس دے رہے تھے کہ اچانک

خاموش ہو گئے، بغلوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئے، بشارت پا کر طلبہ سے فرمایا: سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر! پھر طلبہ سے فرمایا: بارہویں صدی میں باطل فرقوں والے پیدا ہوں گے، عظمت شان رسالت میں توہین و گستاخیاں کرنے، گمراہی پھیلانے اور فتنے پھیلانے کی کوشش کریں گے۔ تب ایک عالم احمد رضا پیدا ہوگا جوان کا مقابلہ کرے گا اور ان پر فتح حاصل کرے گا۔ وہ سچا عاشق رسول، پابند شریعت ہوگا اور ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوگا۔ میری اولاد اور میرے مریدین ان عقائد پر قائم رہنا اور اس (امام احمد رضا) کے مسلک پر قائم رہنا۔

لہٰذا شمس المشائخ، شہنشاہ کاٹھیاواڑ علیہ الرحمہ کی اس روشن بشارت کے مطابق ۱۷۰ سال بعد بریلی میں اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی کی ولادت ہوئی۔ (اقتباس سوانح عمری قطب کاٹھیاواڑ ملخصا) سیدنا علامہ محمد صالح شیرازی کا مزار پرانوار ''کلریا گجرات'' بھارت میں ہے۔ میلسی کے وابستگان خلفائے سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ یہاں حاضریاں دیتے رہتے ہیں۔

بارگاہ محبوب الٰہی میں مقبولیت: سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ۱۲۹۳ھ میں سترہویں شریف کو اپنے حضرت والد ماجد رئیس الاتقیا علامہ مفتی محمد نقی علی خان اور حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرھما کے ہمراہ سیدنا محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار پرانوار پر حاضر ہوئے۔ عرس کا زمانہ۔ مجالس لہو لعب، طبلہ و سارنگی اور ڈھول دھماکوں کا شور تھا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے بارگاہ عظمت پناہ محبوب الٰہی شیخ المشائخ میں عرض کیا: حضور یہ غلام سکون و اطمینان اور یکسوئی سے سلام و فاتحہ عرض کرنا چاہتا ہے۔ ایک دم سارے آلات لہو و لعب یکسر جام ہو گئے۔ دو بار ایسا ہوا۔ اطمینان سے حاضری دی، سلام و فاتحہ نذر کی اور باہر نکلے تو پھر وہی شور و غل تھا۔ (ملخصاً ملفوظات اعلیٰ حضرت)

سیدنا قطب مدینہ کے مشاہدات: فقیر راقم الحروف نے اپنی پہلی حاضری حرمین شریفین کے موقع پر مولانا حکیم محمد عارف رضوی ضیائی رحمۃ اللہ علیہ اور مخلصم محبّ مکرم و محترم ابو حمزہ محمد عبدالرؤف قادری خلیفۂ میلسی (کاتب کتاب سیدی ضیاء الدین احمد القادری) کی فرمائش اور تقاضہ و اصرار پر دونوں جلدوں کے تقریبا 1700 صفحات کی مکمل پروف ریڈنگ، تصحیح کتابت کی سعادت بھی حاصل کی اور لاہور کتاب چھپنے پر کتابوں کی بوری بھی مدینہ طیبہ پہنچائی۔ سیدی قطب مدینہ علیہ الرحمہ کے مشاہدات یہ ہیں فرماتے ہیں: ایک عرصہ ہوا کہ فقیر بعارضہ فالج صاحب فراش ہوگیا۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا، ایک رات بحال زار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کیا اے میرے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے جس کی یہ سزا ہے؟ میرے پیرو مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے صدقے مجھے معاف فرمایا جائے اور اپنے در پاک مواجہہ اقدس کی زیارت و حاضری کا شرف عطا فرمایا جائے۔ اسی طرح سرکار غوث ثقلین رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی استغاثہ کیا چنانچہ اسی رات خواب میں دیکھا کہ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے ساتھ دو بزرگ نہایت روشن اور سندر چہروں والے تھے، غریب خانے پر تشریف لائے اور سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم

البرکت رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ضیاء الدین آج تم نے ایسی درخواست کی کہ میرے غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ تمہارے پاس بنفس نفیس خود تشریف لے آئے ہیں۔ دوسرے بزرگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا دیکھو یہ بزرگ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری ہیں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔اس کے بعد سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے میرے جسم پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا اٹھو! اسی حکم مبارک سے میں عالم خواب میں کھڑا ہوا۔وہ تینوں بزرگ نماز میں مشغول ہوگئے۔میں بیدار ہوا تو میں واقعی کمرے میں کھڑا تھا۔اس پر میں نے زوردار نعرۂ رسالت لگایا۔گھر کے افراد دوڑے ہوئے آئے اور مجھے صحت مند دیکھ کر حیران رہ گئے۔

اس وقت قطب مدینہ باب السلام پر پہلی منزل میں سکونت پذیر تھے۔فرمایا: فقیر حرم نبوی کے باب السلام سے اندر حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں میرے پیر و مرشد سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ مواجہہ مقدسہ میں حاضر ہیں۔صلاۃ وسلام عرض کر رہے ہیں۔ مجھے دکھ بہت ہوا کہ میرے پیر و مرشد مدینہ شریف میں ہے اور مجھے خبر نہیں۔جب قریب گیا تو سیدنا اعلیٰ حضرت کو نہ دیکھ پایا۔صلاۃ وسلام عرض کر کے واپس ہوا۔باب السلام سے پھر مڑ کر دیکھا تو سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ کو بارگاہ مقدس میں پھر موجود پاتا ہوں۔ پہلے والی کیفیت پاتا ہوں۔دوبارہ حاضر ہوا تو پھر موجود نہ تھے۔صلوۃ وسلام عرض کر کے پھر واپس ہوا۔باب سلام سے پھر مڑ کر دیکھتا ہوں تو پھر حاضر بارگاہ اقدس پاتا ہوں۔بس میں سمجھ گیا کہ سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ اوران کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معاملہ ہے، میں مداخلت نہ کروں اور واپس گھر چلا آیا۔

اس طرح کا ایک واقعہ حضرت شیخ سید احمد شیخ جمال اللیل مکی نے سنایا کہ میرے چچا شیخ عقیل جمال اللیل مکی سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز کے مرید تھے۔مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔باب سلام سے داخل ہوتے ہیں تو سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم میں صلاۃ وسلام عرض کرتے ہوئے پاتے ہیں۔جب قریب پہنچے تو نظروں سے اوجھل پایا۔پھر چند بار ایسا ہی پایا۔اس کے بعد وہ سب سمجھ گئے کہ یہ میرے پیر کا اپنا معاملہ ہے۔

(کتاب سیدی ضیاء الدین احمد القادری)

سیدی حضور قطب مدینہ علیہ الرحمہ برملا فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچے بہت ہیں لیکن بیعت و ارادت میری سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ روحانی باپ اور مرشد برحق میرے وہی ہیں۔

واضح رہے کہ سیدی قطب مدینہ قدس سرہ کے مرید و خلیفہ کہلانے والے سن لیں، نوٹ کرلیں کہ حضور قطب مدینہ لاؤڈ سپیکر پر نماز، فوٹو، تصاویر، انتقال خون، ٹی وی اور مووی کو سخت ممنوع و ناجائز سمجھتے تھے۔باوجود اس کے کہ زبردست عالم و فاضل، محقق وفقیہ تھے۔لیکن فرماتے: حضرت شہزادے میاں (سیدنا مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی) سے فتویٰ منگواؤ۔

جدت و بدعت پسند، نام نہاد محقق مسائل جدیدہ جو تحقیق کے نام پر اکابر سے اختلاف کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیئے۔حضور سیدی قطب مدینہ قدس سرہ مسلک اعلیٰ حضرت پر استقامت کی تلقین و تاکید فرماتے تھے۔

صحابہ کرام کا اندازِ تعظیمِ رسول

از۔(حافظ) افتخار احمد قادری، کریم گنج، پورن پور

جس سے محبت ہوتی ہے اس کی عظمت دل و جان پر چھا جاتی ہے۔ یہ چاہنے والا اپنے محبوب کی تعظیم و عظمت کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔ مذہب اسلام نے ہر بڑے کی تعظیم کا درس دیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں''۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ:77)

حضور اقدس ﷺ تو سارے بڑوں میں سب سے بڑے ہیں اور اتنے عظیم ہیں کہ آج تک اتنا بڑا پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ اس لئے آپ کی تعظیم سب سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔ قرآن کریم ناطق ہے:

''بیشک ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔''

(الفتح:9)

غور فرمائیں کہ اس آیت کریمہ میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد رسول معظم ومکرم کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا پھر اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح کا حکم دیا۔ اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح پر اپنے رسول کی تعظیم و توقیر کو مقدم کر کے تعظیم حبیب ﷺ کی اہمیت و عظمت میں کس قدر اضافہ کر دیا گویا آپ ﷺ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر اسی لئے بھیجا گیا کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور رسول ﷺ کی تعظیم کریں پھر اللہ رب العزت کی تسبیح کریں۔

ایک مقام پر قرآن کریم حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کرنے والوں کی کامرانی کا اعلان اس طرح کر رہا ہے:

''جو لوگ رسول پر ایمان لائے اور آپ کی تعظیم کی اور آپ کو توانائی دی اور آپ کے ساتھ اترنے والے نور کی پیروی کی بس یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

(الاعراف:157)

اس آیت کریمہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و نصرت کرنے والوں کو کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔

یہ ارشاداتِ ربانی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیشِ نظر تھے اس لئے اُنہیں نے اپنے سرکار ﷺ کی ایسی تعظیم کی کہ دنیا کے کسی شہنشاہ کی بھی اس طرح تعظیم نہیں کی جاسکتی۔ صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کا حال دیکھ کر صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود نے (جو ابھی ایمان نہ لائے تھے) یہ تاثر پیش کیا تھا:

''اے لوگو! خدا کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں بھی پہنچا ہوں، قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی ڈیوڑھیوں پر بھی حاضری دے چکا ہوں، خدا کی قسم! کسی بادشاہ کی اتنی تعظیم ہوتے نہیں دیکھی جتنی تعظیم

محمد ﷺ کی ان کے اصحاب کرتے ہیں، خدا کی قسم جب کبھی بھی ان کی ناک سے رطوبت نکلی وہ کسی نہ کسی شیدائی کے ہاتھ میں پڑی جسے اس نے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا، جب وہ اپنے اصحاب کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کے لئے جنگ کی نوبت آجاتی ہے، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو وہ لوگ خاموش اور پُرسکون رہتے ہیں، تعظیم و توقیر میں ان کی طرف نظر بھر کر دیکھتے تک نہیں"۔ (صحیح البخاری)

یہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اندازِ تعظیم و توقیر کا اجمالی خاکہ جسے رسول اللہ ﷺ کے ایک بیگانے نے پیش کیا تھا۔خود صحابہ کرام نے واقعات کی دنیا میں تعظیم و توقیر کی کیسی کیسی مثالیں پیش کی ہیں کہ انہیں دیکھ اور سن کر ایمان میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ چند مثالیں قارئین کی نذر ہیں:

☆ غزوۂ خیبر کی واپسی میں مقام "صہبا" پر نبی کریم ﷺ نے نماز عصر پڑھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمایا۔حضرت علیٰ نے نماز عصر نہ پڑھی تھی، اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے مگر اس خیال سے کہ زانو سرکاتا ہوں تو حضور اقدس ﷺ کے خواب میں خلل آجائے گا، اس لیے زانو نہ ہٹایا۔یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، جب چشمِ نبوت کھلی تو حضرت علی نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔حضور ﷺ نے دعا فرمائی، آفتاب پلٹ آیا۔حضرت علی نے نماز عصر ادا کی پھر سورج ڈوب گیا۔ (مشکل الآثار امام طحاوی)

تعظیم رسول اللہ ﷺ کی خاطر افضل العبادات نماز اور وہ بھی صلوٰۃ وسطیٰ (نماز عصر) مولا علی نے قربان کر دی۔چشم فلک نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ اللہ رب العزت کے ایک بندے کی درخواست پر اس کے ایک فدائی کے لئے سورج پلٹایا گیا ہو اور ایک فدائی نے محض تعظیم و توقیر رسول اللہ ﷺ کے پیشِ نظر اتنی عظیم قربانی دی ہو۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں ۔

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی تھی

☆

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

☆ ہجرت کے موقع پر یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو جانثاری کی مثال قائم کی وہ بھی اپنی جگہ بے مثال ہے۔جب حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کی صفائی کی، اس کے تمام سوراخوں کو بند کیا، ایک سوارخ کو بند کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو آپ نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا لگا کر اس کو بند کیا، اس کے بعد حضور ﷺ کو بلایا، حضور ﷺ تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمانے لگے، اتنے میں ایک سانپ نے حضرت صدیق اکبر کے پاؤں میں کاٹ لیا، مگر آپ نے شدتِ الم کے باوجود محض اس خیال سے کہ آپ ﷺ کے آرام میں خلل نہ واقع ہو، بدستور ساکن و صامت رہے۔جب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے، آنسو کے قطرے چہرہ اقدس پر گرے تو حضور ﷺ بیدار ہوئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واقعہ عرض کیا، آپ

ﷺ نے ڈسے ہوئے حصہ پر اپنا لعاب دہن لگا دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوراً آرام مل گیا۔

(تواریخ حبیبِ الہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس واقعہ کی منظر کشی اپنے ایک شعر میں یوں کی ہے ۔

صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

☆حضور اقدس ﷺ ذی القعدہ 6ھ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ حدیبیہ پہنچے تو قریش پر خوف وہراس طاری ہوا۔ اس لئے آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ ان کو یہ ہدایت دیں کہ تم قریش کو یہ بتانا کہ ہم جنگ کے لئے نہیں، عمرہ کی ادائیگی کے لئے آئے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت بھی دینا، وہ مسلمان مرد و عورت جو مکہ میں ہیں ان کو فتح کی خوشخبری سنانا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان سے حضرت ابان بن سعدی اموی ملے جو ابھی ایمان نہ لائے تھے، اُنھوں نے حضرت عثمان کو اپنی پناہ وضمانت دی اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے ان کو مکہ مکرمہ لائے۔ حضرت عثمان نے لوگوں تک حضور اقدس ﷺ کا پیغام پہنچایا، اُدھر حدیبیہ میں صحابہ کرام یہ کہنے لگے کہ عثمان خوش نصیب ہیں کہ ان کو طوافِ بیت اللہ نصیب ہو چکا ہوگا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ عثمان میرے بغیر طواف نہ کریں گے۔ اسی دوران یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت عثمان مکہ میں قتل کر دئے گئے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمان چونکہ اس وقت مکہ میں تھے اس لئے حضور اقدس ﷺ نے خود اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں داخل کیا۔ اس طرح رسولِ کریم ﷺ کا ہاتھ حضرت عثمان کا ہاتھ قرار پایا۔ بیعت رضوان کے بعد جب حضرت عثمان واپس تشریف لائے تو مسلمانوں نے ان سے کہا آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے طوافِ بیت اللہ کر لیا۔ آپ نے جواب دیا تم نے میرے بارے میں بدگمانی کی ہے۔ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں مکہ میں ایک سال تک پڑا رہتا اور حضور اقدس ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تب بھی میں آپ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے طواف کے لئے کہا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔

(سیرتِ مصطفیٰ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے تعظیم وادب کا یہ پاس قابلِ ملاحظہ ہے کہ کفار آپ سے پیش کش کر رہے ہیں کہ آپ طواف کر لیں مگر آپ جواب دیتے ہیں کہ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے آقا ﷺ کے بغیر تنہا طواف کرلوں۔ اِدھر مسلمانوں کا یہ تاثر کہ حضرت عثمان خوش نصیب ہیں کہ ان کو طوافِ کعبہ نصیب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے سن کر فرمایا: عثمان ہمارے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔ گویا حضور ﷺ کو بھی اپنے فدائی پر پورا اعتماد تھا۔

حضور اقدس ﷺ کی تعظیم وادب کا یہ معاملہ صحابہ کرام کا اپنا کوئی ایجاد کردہ یا اختراعی نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی تعظیم اور مجلس کے آداب خود بیان فرمائے ہیں۔ دنیا کا شہنشاہ آتا

ہے تو اپنے دربار کے آداب خود بتاتا ہے اور جب جاتا ہے تو اپنے نظامِ آداب کو بھی لے جاتا ہے۔مگر شہنشاہ کائنات حضور ﷺ کے دربار کا عالم ہی نرالا ہے۔ جب آپ تشریف لاتے ہیں تو خالق کائنات آپ کے دربار کا ادب نازل فرماتا ہے اور کسی خاص وقت تک کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ادب کے قوانین مقرر فرماتا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً وہ سنتا اور جانتا ہے''۔

(الحجرات:1)

ایک موقع پر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نمازِ عید سے پہلے ہی قربانی کرلی، کچھ صحابہ کرام نے رمضان المبارک کے روزے ایک دن پہلے ہی شروع کردئے، ان کو ہدایت دی گئی کہ ایسا نہ کریں، رسولِ کریم ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ ایسا کرنا بہتر نہیں۔ مندجہ بالا آیت پر غور کرنے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی اللہ رب العزت کی بے ادبی ہے۔ جن لوگوں نے پیش قدمی کی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر کی تھی۔لیکن حکم اترا تو یہ کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر پیش قدمی نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ کسی قول و فعل میں پیش قدمی منع ہے کیونکہ آیت میں یہ حکم بلا قید ہے۔مثلاً جب رسول اللہ ﷺ کسی جگہ کے لئے تشریف لے جائیں تو بغیر کسی خاص مصلحت کے آپ سے آگے چلنا بھی منع ہے۔ اگر کوئی حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں سوال کرے تو حضورِ اقدس ﷺ سے پہلے کسی اور کو اس کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے، اسی طرح جب کھانا حاضر ہو تو حضور ﷺ سے پہلے کھانا نہ شروع کیا جائے، پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جن صحابہ کرام نے پیش قدمی کی تھی، اللہ کی عبادت میں کی تھی، روزہ رکھنے یا قربانی کرنے میں کی تھی، ایسا کرنا بظاہر کوئی جرم نہیں معلوم ہوتا مگر تنبیہ اتر رہی ہے کہ اے ایمان والو! جلیل القدر عبادتوں میں بھی تم میرے نبی سے آگے نہ بڑھنا اور اس معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ یقیناً اللہ رب العزت تمہاری ہر نقل و حرکت اور نشست و برخاست کو سنتا جانتا ہے۔ اسی سورہ حجرات میں اللہ رب العزت اپنے نبی کی تعظیم کی تعلیم دے رہا ہے:

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور ان کے حضور زور سے باتیں نہ کرو، جس طرح تم آپس میں چیخ کر باتیں کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''۔

(الحجرات:2)

اس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو اپنے محبوب کا ایک عظیم ادب سکھایا کہ تم میرے محبوب کے سامنے بولنے میں بھی باادب رہو، اس کے حضور ہلکی آواز میں باتیں کرو، اگر تم نے زور زور سے چیخ کر ان کے حضور بات کی تو تمہارے عمل رائگاں کردئے جائیں گے۔

غور کریں کہ کفر و شرک کے علاوہ بڑے سے بڑے جرم کا ارتکاب عند اللہ معاف ہوسکتا ہے مگر اللہ رب العزت اپنے محبوب کی بے ادبی و گستاخی معاف نہیں فرمائے گا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بلند آواز تھے۔ اس آیت کریمہ میں حکم ہوا کہ اس بارگاہ میں اپنی آواز پست رکھیں۔ آپ

انتہائی ادب اور خوف کی وجہ سے خانہ نشین ہوگئے، بارگاہِ نبوی میں جب حاضر نہ ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے ان کی غیر حاضری کا سبب حضرت معاذ سے دریافت کیا۔(یہ حضرت ثابت کے پڑوسی تھے) اُنہوں نے جا کر حضرت ثابت سے پوچھا! تو کہا کہ میں دوزخی ہوگیا، میری ہی آواز رسول اللہ ﷺ کے سامنے سب سے زیادہ بلند ہوتی تھی۔ حضرت معاذ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ثابت کا قول نقل کردیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، ان سے کہہ دو وہ جنتی ہیں۔

اللہ رب العزت ان لوگوں کو خوشخبری سنا رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔

''یقیناً جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ (ﷺ) کے پاس پست رکھتے ہیں یہ وہی ہیں جن کے دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیے ہیں، اُنہیں کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے''۔

(الحجرات:3)

آیتِ کریمہ ''لا ترفعوا اصواتکم'' کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس قدر دھیمی آواز سے باتیں کرتے کہ حضور اقدس ﷺ کو دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو قسم کھالی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس طرح باتیں کروں گا جیسے سرگوشی کی جاتی ہے۔ ان حضرات کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کو سراہا گیا جو باادب ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آوازیں پست رکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی جناب پاک میں کس قدر باادب رہتے تھے۔ حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جس وقت آپ (ﷺ) گفتگو شروع فرماتے آپ کے اصحاب اس طرح سر جھکا لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں''۔

(شمائل ترمذی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی حدیث کی ترجمانی اپنے ایک شعر میں یوں فرمائی۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد عین دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ سے ملنے پہونچا۔ آپ ﷺ اس وقت آرام فرما تھے۔ اُنہوں نے حجرے کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارنا شروع کر دیا، آپ ﷺ باہر تشریف لائے، مگر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی ایسی بے ادبی گوارا نہ فرمائی اور حکم فرمایا کہ ایسا کرنے والے بے عقل ہیں۔ پھر ادب کی تعلیم دی کہ جب لوگ در دولت پر پہنچیں تو آپ کو آواز نہ دیں بلکہ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کریں۔

''یقیناً جو آپ کو حجرے کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے، اگر وہ اتنا صبر کرتے کہ آپ باہر نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے''۔

(الحجرات:4/5)

اللہ رب العزت ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

''تم رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔

(النور:63)

اس آیتِ کریمہ میں وارد ارشاد ربانی کے دو پہلو ہیں:

ایک تو یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ تم کو بلائیں تو ان کے پاس اس بلانے کو کسی معمولی آدمی کا بلانا نہ سمجھ بیٹھنا بلکہ میرے رسول کے بلانے کی شان تو یہ ہے کہ اگر وہ کسی کو عین نماز میں بھی آواز دیں تو فوراً نماز ہی کی حالت میں حاضر ہونا فرض ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے آواز دی، میں چونکہ نماز پڑھ رہا تھا اس لئے جواب نہ دیا پھر نماز سے فارغ ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھ رہا تھا، اس لئے حاضر نہ ہو سکا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں سنا:

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے''۔

(الانفال:24)

اس آیت میں وارد حکم ربانی کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کو اس طرح نہ پکارنا جس طرح باہم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو البتہ ان کو یارسول اللہ، یا نبی اللہ، یا خیر خلق اللہ وغیرہ صفاتی ناموں سے پکار سکتے ہو۔

اللہ رب العزت اہل ایمان کو ایسا کیوں نہ حکم دیتا کہ اس نے خود اپنے پورے کلام عظیم میں کہیں بھی ''یا محمد'' کہہ کر اپنے محبوب کو نہیں پکارا جیسا کہ دوسرے انبیائے کرام کو ان کے ذاتی ناموں سے خطاب فرمایا ہے بلکہ قرآن کریم میں تو آپ کو یوں ندا کی گئی کہ ''یا ایھا المزمل''، ''یا ایھا المدثر''۔

صحابہ کرام کے پیشِ نظر اللہ رب العزت کے مذکورہ بالا ارشادات وفرامین تھے۔ اُنھوں نے ان احکام کو خوب خوب سمجھا اور حضور اقدس ﷺ کی شخصیت کو اپنے سر کی آنکھوں سے بہت قریب سے ملاحظہ فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ کی عظمت وجلالت فطری طور پر ان کے قلوب واذہان میں رچ بس گئی تھی۔ وہ تو احترام نبی میں اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کے دیکھ بھی نہیں پاتے تھے۔ اپنے آقا کے ہر حکم اور ہر اشارۂ ابرو پر اپنی جان نچھاور کرنے کو اور اپنی ہر قیمتی سے قیمتی اور محبوب سے محبوب چیز کو قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ان کے نزدیک ایمان کا معیار ہی یہ تھا کہ ان کے آقا، ان کے نزدیک ان کے ماں باپ، اہل وعیال اور ہر شئ سے زیادہ محبوب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں صحابۂ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے درمیان تعظیم نبی اور احترام نبی کی ایسی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جو دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے صاحب منصب کے احترام کی نہیں ملتیں۔

صحابہ کرام نے اتباع رسول اور احترام نبی کی مثالیں پیش کر کے قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ درس دے دیا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر اپنے نبی کی شان میں گستاخی و بے ادبی کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی بھی زمانہ میں، کہیں بھی، کسی نے بھی آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ادنیٰ سی بھی گستاخی و بے ادبی کی یا ان کی شان رفیع گھٹانے کی کوشش کی تو اس زمانہ کے غیور مسلمانوں اور وفاداران نبی نے ایسے لوگوں کا بروقت محاسبہ کیا اور اپنی استطاعت کے مطابق ان کے لیے شرعی سزائیں تجویز کیں۔

آہ! ہم ایک عظیم اور نوجوان محقق سے محروم ہوگئے

اہل سنت کے ممتاز ادیب و محقق، معروف قلم کار و مضمون نگار، باصلاحیت فاضل و مفتی، درجنوں کتب و رسائل کے مصنف و مترجم، ماہر رضویات، حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی کے وصال پر لکھی گئی ایک تعزیتی تحریر

از۔ محمد سلیم بریلوی

مؤرخہ ۲۴؍جولائی ۲۰۲۴ء بروز بدھ صبح سویرے کا وقت تھا، راقم جامعہ رضویہ منظر اسلام میں آچکا تھا، صلوٰۃ وسلام کے بعد حاضری رجسٹر میں دستخط کرکے اپنی متعلقہ درسگاہ کی طرف جا ہی رہا تھا کہ اچانک وہاٹس ایپ پر آئے ایک دل خراش میسیج پر نظر پڑی کہ جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ، معروف اسکالر، ممتاز ادیب وقلم کار، باصلاحیت فاضل ومفتی، درجنوں کتب و رسائل کے مرتب ومترجم، ماہر رضویات حضرت علامہ ڈاکٹر ارشاد احمد رضوی ساحلؔ شہسرامی صاحب ابھی ابھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ پیغام کیا تھا، حواس پر بجلی بن کر اثر انداز ہوا۔ کافی دیر تک تو یقین ہی نہ ہوا، جیسے تیسے کرکے اپنی متعلقہ درسگاہ کی گھنٹی پوری کی اور تقریباً صبح ۸؍بجے حضرت استاذ گرامی کے موبائل نمبر پر کال کی۔ چار پانچ گھنٹی کے بعد ہی فون اٹھا تو انتہائی زار و قطار انداز میں روتے اور ہچکیاں لیتے ہوئے حضرت کی ہمشیرہ نے بمشکل تمام اس خبر کی تصدیق کی اور ان کی ہچکیوں کے درمیان اتنا اور سمجھ میں آیا کہ وہ کہہ رہی ہیں کل تک بالکل بصحت وعافیت تھے۔ کل رات اچانک طبیعت خراب ہوئی تو شہسرام شہر کے ایک ہاسپٹل میں ان کو لے گئے مگر نہ جانے کیا ہوا کہ صبح کے وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ بعد میں راقم کو کچھ دیگر ذرائع سے معلوم ہوا کہ آپ کا انتقال ''برین ہیمریج'' کی وجہ سے ہوا ہے۔

اس دل خراش خبر کی تصدیق ہوتے ہی اپنی دوسری درسگاہ میں جا کر فوری طور پر ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی۔ طلبہ کے مابین ان کا ذکر خیر کیا۔ بلاشبہ یہ ہم سب کے لیے نہایت خسارے کی بات ہے۔ ابھی انہوں نے زندگی کی چند ہی بہاریں دیکھی تھیں اور اس وقت ان کا قلم تحقیق متعدد عناوین پر رواں دواں تھا کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

راقم نے درجۂ اعدادیہ کے طالب علم کی حیثیت سے جب ''جامعہ اشرفیہ'' مبارکپور میں داخلہ لیا تو موصوف اس وقت وہاں درجۂ تحقیق وافتاء کے سال اخیر میں تھے۔ اشرفیہ کے سبھی اساتذہ ان کے اخلاق، ان کی سنجیدگی، تعلیم و تعلم کے حوالے سے ان کی وارفتگی اور ان کی تعلیمی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ سبھی ان کی قدر کرتے اور ان سے محبت فرماتے۔ شعبۂ فقہ وافتاء سے فراغت کے بعد اشرفیہ کے ذمہ داران نے انہیں بحیثیت استاذ اشرفیہ میں ہی رکھ لیا تھا۔ ہم درجۂ اولیٰ میں پہنچ چکے تھے۔ گلستاں کی گھنٹی انہیں کے پاس تھی اور شیخ سعدی کی یہ مایہ ناز کتاب ہم نے موصوف ہی سے پڑھی۔ ششماہی دوم میں گلستاں کی جگہ علامہ بدرالدین رضوی علیہ الرحمہ کی لکھی کتاب

''فیض الادب اول'' کی تعلیم بھی ہم نے آپ ہی سے حاصل کی۔ حضرت کا انداز نہایت ہی عمدہ تھا۔فیض الادب میں دیئے گئے عربی سے اردو اور اردو سے عربی کے جملوں کے ساتھ ساتھ آپ ان ہی جیسے اور ان ہی کے ہم پلہ چند جملے الگ سے لکھواتے اور ان کا عربی یا اردو ترجمہ لکھ کر لانے کو کہتے۔ان کے اس انداز سے ابتدائی عربی زبان سیکھنے میں بہت فائدہ محسوس ہوا۔جب ہم درجۂ ثانیہ میں پہنچے تو فن صرف کی معروف کتاب ''علم الصیغہ'' اور ''فیض الادب ثانی'' بھی آپ ہی سے پڑھیں۔اس کے علاوہ اردو مضمون نگاری میں بھی حضرت موصوف وقتاً فوقتاً راقم کی رہنمائی فرماتے اور جب تک اشرفیہ میں رہے محبت وشفقت فرماتے۔پھر آپ اشرفیہ سے سبکدوش ہوکر اعلیٰ تعلیم کے لیے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ تشریف لے گئے جہاں آپ نے شعبۂ عربی ادب میں رہ کر ایم اے عربی کیا اور علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کے حوالہ سے ملک العلماء، تلمیذ اعلیٰ حضرت، خلیفہ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے پوتے عالیجناب ڈاکٹر طارق صاحب علیگ، استاذ شعبہ عربی زبان وادب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔آپ کی خواہش تھی کہ کیمبرج یونیورسٹی یا آکسفورڈ یونیورسٹی جا کر مزید تعلیم حاصل کریں۔ مگر اسباب وذرائع نہ ہونے کی وجہ سے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔راقم سے اکثر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار فرماتے۔اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور دنیا کی معروف زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کا انہیں جنون کی حد تک شوق تھا۔

راقم جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی ادب کا طالب علم بنا تو حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔مفید کتابوں کے مطالعہ کی طرف رہنمائی فرماتے اور اپنے تلخ وشیریں تجربات راقم سے شیئر کر کے ان کی روشنی میں مفید رہنمائی فرماتے۔

راقم جب یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دینے لگا تو بارہا آپ سے شرف نیاز حاصل ہوتا۔آپ مہینہ دو مہینہ میں بریلی شریف اکثر آتے۔مگر جب بھی آتے تو تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی لیکن راقم کو شرف ملاقات ضرور بخشتے۔حالیہ کچھ سالوں سے وہ اپنے کچھ ذاتی اور گھریلو معاملات کو لے کر کافی پریشان ومضطرب رہتے تھے۔کچھ معاشی معاملات بھی تھے جس کی وجہ سے آپ بہت الجھنوں کا شکار تھے۔آستانۂ اعلیٰ حضرت پر گھنٹوں بیٹھ کر وظائف پڑھنے میں مصروف رہتے۔اکثر روزے رکھتے اور اپنے علمی وتحقیقی کاموں میں لگے رہتے۔

آپ کی ولادت ۱۹؍ستمبر ۱۹۷۳ء کو مدار گیٹ، شہسرام ضلع روہتاس بہار میں ہوئی۔آپ کے والد صاحب کا نام اشفاق احمد بن وصی احمد ہے۔درجۂ ثانیہ تک کی تعلیم اپنے گاؤں ہی کے ایک ادارے ''دار العلوم خیریہ نظامیہ'' سے حاصل کی پھر مؤرخہ ۲۹؍جولائی ۱۹۸۶ء کو ''جامعہ اشرفیہ'' مبارکپور میں داخلہ لیا۔جہاں سے ۱۹۹۳ء میں فقہ وافتاء کی سند فراغت حاصل کی۔۸؍سال تک اشرفیہ ہی میں درس وتدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیئے۔اس کے بعد علی گڑھ تشریف لے گئے جہاں ایم اے عربی اور ڈاکٹریٹ کی تعلیم مکمل کی۔پھر ۲۰۱۰ء میں بنگلور جا کر آئی ای ایل ٹی ایس کی ڈگری حاصل کی۔مارہرہ مقدسہ سے نکلنے والے سالنامہ ''اہل سنت کی آواز'' کے بھی کئی سال تک آپ معاون مدیر رہے۔جانشین مفتی اعظم، تاج

الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ سے بیعت تھے اور بیعت طلب سیدی سرکار احسن العلماء مارہروی علیہ الرحمہ سے بھی حاصل تھی۔ آپ ایک باصلاحیت فاضل و مفتی ہونے کے ساتھ کامیاب ترین قلمکار بھی تھے۔ درجنوں کتابیں آپ نے تالیف فرمائیں اور کئی کتب و رسائل کے ترجمے بھی کئے۔ جن میں مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی اہم یادگار کی صورت میں اہل سنت کے پاس محفوظ رہیں گی۔

(۱) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن۔ ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ۔ (۲) مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی۔ حیات و شاعری۔ (۳) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ۔ (۴) خواجۂ ہند کی صوفیانہ شاعری۔ (۵) مخدوم سمنانی کے علمی آثار۔ (۶) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی۔ حیات و افکار۔ (۷) حافظ ملت۔ (۸) شارح بخاری۔ (۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی۔ حیات و خدمات۔ (۱۰) متنبّی۔ ایک خصوصی مطالعہ۔ (۱۱) عرفان عرب۔ (۱۲) دائرۂ قادریہ بلگرام شریف۔ (۱۳) مساھمة العلامہ فضل حق خیر آبادی فی الدراسات الاسلامیہ والفلسفیہ (پی ایچ ڈی کا عربی مقالہ)۔ (۱۴) حضرت صادق شہسرامی، حیات و شاعری۔ (۱۵) جمالیات اور قرآن حکیم۔ (۱۶) فن ترجمہ اور قرآنی تراجم۔ (۱۷) امام اعظم اور علم حدیث۔ (۱۸) فقہ و افتاء اور اس کے تقاضے۔ (۱۹) تصوف۔ چند وضاحتیں۔ (۲۰) وہابیہ کی کفری عبارتوں کی تاویلات۔ ایک تنقیدی جائزہ۔ (۲۱) حسام الحرمین اور بہار کے علماء و مشائخ (غیر مطبوعہ)۔ (۲۲) مسلمانوں کی علمی معیشت۔ ہندوستانی تناظر میں۔ (۲۳) رضا شناسی کے تقاضے اور خانوادۂ رضویہ کی خصوصیات (غیر مطبوعہ)۔ (۲۴) مسلمانوں کے زوال کا نقطۂ آغاز۔ ہندوستانی تناظر میں۔ (۲۵) مخدوم جہاں اور امام احمد رضا۔ (۲۶) تحفہ حجاز۔ (۲۷) اوراد کا مجموعہ۔ (۲۸) اوراد قادریہ۔ (۲۹) سلاسل صوفیہ۔ (۳۰) تاریخ ولادت نبوی۔ (۳۱) کاشف الاستار (ترجمہ و تقدیم و ترتیب)۔ (۳۲) سند السعادات فی حسن خاتمة السادات۔ (۳۳) نظم اللآلی فی نسب آل علاء الدین العالی (صغروی سادات، بلگرام) (۳۴) سلاسل الانوار فی سیر الاختیار۔ (۳۵) وفیات الاعلام (زیر تکمیل)۔ (۳۶) اسد العارفین حضرت سید شاہ عینی مارہروی۔ (۳۷) النور والبہاء فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء۔ (۳۸) وجود العاشقین۔ (۳۹) مقالات شارح بخاری۔ (۴۰) منبع الانساب۔ (۴۱) سید معین الحق جھونسوی، الہ آبادی۔ (۴۲) فتاویٰ ملک العلماء۔ (ترتیب و تقدیم)

ان کے علاوہ حضرت کی اور بہت ساری کتابیں، مقالات و مضامین ہیں جن کی ایک لمبی فہرست ہے۔ اللہ رب العزت استاذ گرامی کی قبر پر انوار و رحمت کی بارشیں نازل فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ان کے وصال کی خبر سن کر ہند و بیرون ہند کے بیشمار علماء و مشائخ نے اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی اور اساتذۂ منظر اسلام نے بھی اپنے رنج کا اظہار کرتے ہوئے موصوف کے لیے دعائے مغفرت کی۔ منظر اسلام کے طلبہ نے بھی قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا۔

آئینۂ منظر اسلام

وہ منظر اسلام جسے سرکارِ اعلیٰ حضرت نے ایک آل رسول کی فرمائش پر ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں شہرستانِ عشق و محبت بریلی شریف کی سرزمین پر قائم فرمایا۔

وہ منظر اسلام جس کی بے مثال تعمیر و ترقی اور عظمت و رفعت حضور حجۃ الاسلام کی ارفع و اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے گلشن علم و حکمت کی لازوال تروتازگی و شادابی میں سرکار مفتیٔ اعظم ہند کا علمی و روحانی تصرف ہمہ وقت کارفرما ہے۔

وہ منظر اسلام جس کی رعنائیاں اور تابانیاں سرکار مفسر اعظم ہند کے بے مثال ایثار و قربانی اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وہ منظر اسلام جس کی عالمی شہرت اور مرکزی حیثیت حضرت ریحان ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک روشن و منور نمونہ ہے۔

وہ منظر اسلام کہ شاہ راہ ترقی پر جس کی تیز گامی میرے والد محترم حضور صاحب سجادہ کی پر عزم، مستحکم اور مخلصانہ قیادت و نظامت کی درخشاں و دیدہ زیب تصویر ہے۔

وہ منظر اسلام جو ماضی قریب کے اکثر اکابر اہل سنت کا قبلۂ علوم و حکمت ہے۔

وہ منظر اسلام جس نے قوم و ملت کو ''تحریک تحفظ ناموس رسالت'' اور ''تحریک تحفظ عظمت اولیا'' کے بے شمار جانباز سپاہی عطا فرمائے۔

وہ منظر اسلام جو دینی و عصری علوم و فنون کے ساتھ اسلامی افکار و نظریات کی ترسیل و تبلیغ، عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عروج و ارتقا کے لئے شب و روز سرگرم عمل ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے فارغین کی ایک عظیم جماعت عالم سنیت کے خطہ خطہ میں مذہب و مسلک کی بے لوث خدمت کرنے میں مصروف کار ہے۔

وہ منظر اسلام جو اپنے تابناک ماضی کی ضیا بار کرنوں کی روشنی میں اپنے روشن و منور مستقبل کے خطوط متعین کر کے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ہاں! یہی منظر اسلام آج آپ کے جذبۂ ایثار و تعاون کو آواز دے رہا ہے۔ آئیے! اور اس کے عروج و ارتقا کے لئے دل کھول کر حصہ لیجئے تا کہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم ادارے کا یہ علمی و روحانی قافلہ یوں ہی اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا رہے۔

فقیر قادری محمد احسن رضا

سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY
(M) 9319623803, 9548639384

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P BR-175/2024-25
PUBLISHING DATE : 14th] EVRY ADVANCE MONTH
POSTING DATE : 18th
PAGES : 64 PAGE WITH COVER WEIGHT :80 GRM

₹ 35/-
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)
August 2024

مجدد دین و ملت امام اہل سنت شیخ الاسلام و المسلمین سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت

امام احمد رضا خان قادری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی کا

۱۰۶ واں عظیم الشان

عرس رضوی قادری

ریحانی
نوری

بتاریخ ۲۳ ۲۴ ۲۵ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہلسنت پیشوائے دین و ملت آل رحمٰن ابو البرکات محی الدین الشاہ
محمد مصطفےٰ رضا قادری
حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کا ۴۴ واں

نبیرۂ اعلیٰ حضرت رازدار شریعت ریحان ملت مفکر اعظم ابو الاوصاف نجم الدین حضرت علامہ مفتی الشاہ
محمد ریحان رضا قادری
حضور رحمانی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کا ۳۹ واں

URS-E-RAZVI
106th

29 AUG THU | 30 AUG FRI | 31 AUG SAT

زیر اہتمام و سرپرستی
نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادۂ ریحان ملت پیر طریقت حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا خان قادری
صاحب قبلہ مدظلہ العالی
سبحانی میاں سربراہ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

ایک اہم پیغام

حامداً ومصلیاً و مسلماً!

اللہ کا لاکھ لاکھ شکرو احسان ہے کہ اس نے ہمیں امت مسلمہ میں پیدا کیا اور ہمیں ما انا علیہ واصحابی کی شاہراہ حق وصداقت اور راہ نجات پر گامزن رکھا۔ ہمارے ذہن ودماغ کو عقائد اہل سنت کی تقدس مآب روشنی سے جگمگ فرمایا اور ہمارے وجود کو معمولات اہل سنت پر عمل کرنے کی خوشبو سے معطر کیا۔ اللہ رب العزت نے فضل فرماتے ہوئے ہمیں عشق رسول کی دولت سے مالا مال فرمایا اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کو ہمارے لیے "نجوم ہدایت" اپنی عترت پاک اور اپنے اہل بیت اطہار کو ہم سب کے لیے "سفینۂ نجات" بنایا جس کی وجہ سے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کا بیڑا ان شاء اللہ ضرور پار لگے گا۔ ہمیں اپنی خوش نصیبی پر ناز ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اسلاف کرام اور مشائخ اہل سنت کے دامنوں سے وابستہ فرمایا۔ بلاشبہ یہ ایمانی دولت اور خوش عقیدگی کی یہ نعمت بہت بیش قیمتی ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کرنا ہم سب کا ایک اہم فرض ہے۔ ہمیں ہمہ وقت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کس طرح ہمیں اپنے ایمان وعقیدہ کو محفوظ کرنا ہے؟ اس کا علم رکھنا ضروری ہے۔ آج کے اس پُرفتن دور میں طرح طرح سے دشمنان اسلام ہمارے جذبۂ ایمانی اور ہماری مذہبی شناخت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ حاسدین مذہب ومسلک ہماری خوش عقیدگی کو بدعقیدگی میں بدلنے، ہمیں ما انا علیہ واصحابی کے کامیاب ترین راستے سے بھٹکا کر اللہ ورسول اور صحابۂ کرام کا گستاخ و بےادب نیز اسلاف امت کا باغی بنانے میں جی توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

ایرانی دولت کی بنیاد پر آج برصغیر میں ایک طبقہ اہل سنت و جماعت کو بالکلیہ رافضی تو نہیں البتہ نیم رافضی اور کم از کم تفضیلی بنانے کی تحریک نہایت تیزی کے ساتھ چلا رہا ہے۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج نہایت ہی شاطرانہ انداز میں اس رافضی طبقہ نے اس کام کے لیے ماضی قریب کے ہمارے اکابر اہل سنت سے بغض وحسد رکھنے والے کچھ اہل خانقاہ کو اپنا ایجنٹ بنالیا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ کوئی رافضی شناخت رکھنے والا، اہل سنت و جماعت کے کسی سمجھدار فرد کو براہ راست نہ تو اپنے قریب کرسکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے جال میں پھنسا سکتا ہے۔ اس لیے مال وزر کا لالچ دے کر اس رافضی طبقہ نے ہمارے ہی گھر سے کچھ افراد کا انتخاب کیا ہے۔ آج تیزی کے ساتھ یہ طبقہ اپنے ہی سنی بھائیوں کو رافضیت اور تفضیلیت کے معمولات پر گامزن کر رہا ہے۔ کبھی "مشاجرات صحابۂ کرام" میں انہیں الجھا کر ان سے بدظن کرتا ہے تو کبھی "عید غدیر" منانے کی انہیں ترغیب دیتا ہے۔ کبھی ان پر اپنے نام کے ساتھ "مولائی" لکھنے کا زور ڈالتا ہے تو کبھی تعزیہ داری، نوحہ خوانی، علَم و جریدوں کے جلوس نکالنے، عزاداری کی رسم ادا کرنے اور امام باڑوں میں جانے پر زور دیتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں رافضیت وتفضیلیت کی یہ بلا و وبا سوشل میڈیا کے ذریعہ پڑوسی ملک پاکستان سے سیلاب کی طرح آ رہی ہے۔ اس بلا و وبا کے سیلاب پر بند باندھنا بہت ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے علماء و مشائخ اور ارباب خانقاہ کو اب اس سلسلہ میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہم سب کو مذہب اہل سنت پر قائم رکھے اور ہم سب کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ خادم مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

تقریبات

۲۳/ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ 29 اگست 2024ء

بروز جمعرات — بعد نماز عصر — پرچم کشائی بدست حضور سبحانی میاں مدظلہ
بعد نماز عشاء — ۱۰ بج کر ۳۵ منٹ پر — قل شریف — حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ
بعدہ کل ہند طرحی مشاعرہ نعت ومنقبت
مصرعۂ طرح: دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی سرکار کا
قوافی: سرکار، غمخوار، اسرار وغیرہ — ردیف: کا

۲۴/ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ 30 اگست 2024ء

بروز جمعہ — بعد نماز فجر — قرآن خوانی نعت ومنقبت
بعدہ صبح ۹ بج کر ۵۸ منٹ پر — قل شریف — حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ
بعدہ صبح ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ پر — قل شریف — حضور جیلانی میاں علیہ الرحمہ
بعد نماز عشاء — علماء و مشائخ کے بیانات
بعدہ رات ۱ بج کر ۴۰ منٹ پر — قل شریف — سیدی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ

۲۵/ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ 31 اگست 2024ء

بروز ہفتہ — بعد نماز فجر — قرآن خوانی نعت ومنقبت تقاریر علمائے کرام و مشائخ عظام
دوپہر ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر
قل شریف — امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ

MuftiAhsanRaza.com

On Thursday 29th August 2024

After Namaz-e- Asr "Rasm-e-Parcham Kushai" by Honourable Hazrat Subhani Mian Sahab.
After Namaz-e-Isha 10:35 pm "Qul Shareef Huzoor Hujjatul Islam"
After that " All India Mushayra-e-Naat and Manqabat."

On Friday 30th August 2024

After Namaz-e-Fajr Qura'an Khawni, 9:58 am. "Qul Shareef Huzoor Raihan-e- Millat"
and 10:30 am Qul Shareef Huzoor Jeelani Mian
After Namaz-e-Isha Taqareer and 1:40 at Night Qul Shareef Huzoor Mufti-e-Azam-e- Hind

On Saturday 31th August 2024

After Namaz-e-Fajr, Qura'an Khwani Naat & Manqabat Taqareer.
After that "2:38 pm. Qul Shareef Fazil-e-Bareilvi Aala Hazrat Imam Ahmad Raza "

CONTACT
(MAULANA ALHAAJ) Mohammad Subhan Raza Khan (SUBHANI MIAN)
CHAIR PERSON & MUTAWALLI KHANQAH-E-AALIA RAZVIA
Manager Jamia Razvia Manzar-e-Islam, Chief Editor "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street Bareilly (U.P.) Pin : 243003 India Ph : 2555624,2575683(Off.)Mob.: 0091-9359103539, (Fax) 2574627 (0091-581)
E-Mail : subhanimian@yahoo.co.in, alahazrat786@rediffmail.com, mahanamaalahazrat@gmail.com Website : www.aalahazrat.in www.ala-hazrat.com
Cheque & Draft In Favour of چیک یا ڈرافٹ بنام
Mohammad Subhan Raza Khan A/c.No:019201501797 ICICI Bank 116 Civil lines Bareilly (U,P) IFSC Code : ICIC0000192
Darul Uloom Manzar-e-Islam A/c. No. 2979000100121936 Punjab Naitional Bank Bareilly (U.P.) IFSC Code : PUNB0297900

ماہنامہ کی ممبری فیس یا دار العلوم منظر اسلام کے تعاون کی رقم بھیجنے کے لئے اسے اسکین کریں۔
Scan this to Pay

ملاحظہ
جملہ پروگرام خانقاہ عالیہ رضویہ اور اسلامیہ انٹر کالج بریلی شریف میں حسب صراحت منعقد ہوں گے۔

Listen Live Audio on: www.aalahazrat.in www.ala-hazrat.com

नोट: तमाम प्रोग्राम ख़ानक़ाहे रज़विया और इस्लामियाँ इण्टर कॉलेज बरेली शरीफ में मुनअक़िद होंगे।

ملاحظہ
اس پوسٹر ہی کو دعوت نامہ تصور فرمائیں۔
عرس کی یہ تاریخیں چاند کی ۳۰ کے حساب سے رکھی گئی ہیں۔
مستورات کا تقریبات عرس میں آنا ممنوع ہے۔

ٹی۔ٹی۔ایس کے ممبر بن کر مرکز کی آواز کو مضبوط کریں۔
टी०टी०एस० का मेम्बर बनकर मरकज़ की आवाज़ को मज़बूत करें

الداعی الی الخیر
نبیرۂ اعلیٰ حضرت (مولانا)
محمد احسن رضا قادری
سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت
صدر تحریک تحفظ سنیت بریلی شریف

UNITED PRINTERS BAREILLY SHAREEF (U.P.) # 9319623803, 9548639384

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press,
Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)